إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ

علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی

سالنامہ

اللطیف

ویلور

دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

بسم الله الرحمن الرحیم

سالنامہ ۱۴۳۵ھ | م 2014ء | شمارہ نمبر ۵۳

اللطیف ویلور

بیادگار

شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی

ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور۔

مولانا مولوی

ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ میراں پاشاہ

مدیر موسس

حضرت اقدس مولانا مولوی

ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجراء : ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ م 9 جون 2014ء بروز پیر

سرپرست

مولانا ڈاکٹر **ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری**

یم،اے،پی،ایچ،ڈی،

ناظم دارالعلوم لطیفیہ،حضرت مکان،ویلور۔

معاون

سیدشاہ محمد طاہر قادری

مدیرانِ مسئول

حضرت مولانا مولوی **پی، محمد ابوبکر ملیباری** لطیفی قمری

مدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور۔

مولانا مولوی حافظ ڈاکٹر **ابوالنعمان بشیر الحق قریشی لطیفی**

یم،اے،پی،ایچ،ڈی۔

مدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور۔

نمائندگان طلباء

۱	حسین احمد	گنگاوتی
۲	خضر محمد	کیرلا
۳	محمد شافعی	کیرلا
۴	محمد شفیق	کیرلا
۵	سید نعیم	بنگلور
۶	سید مدثر	ویلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین سالنامۂ اللطیف ویلور ۱۴۳۵ھ مطابق 2014ء

منظومات

مناجات قربیؒ

پیش کش:

سید شاہ محمد طاہر قادری

قدوۃ السالکین حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی علیہ الرحمہ (۱۱۱۸ھ ۱۱۸۲ھ) نے اپنی زندگی میں اپنا دیوان ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۴۰ء میں مرتب کیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۳۴ سال تھی۔

آپ کے دیوان میں پہلے حمد ہے پھر نعت ہے۔ اسکے بعد ۸۸ غزلیات ہیں، ابیات تقریباً ۱۹۷۶ ہیں۔ دیوان مناجات اور دعا پر اختتام پذیر ہے۔ حضرت قربیؔ کا کلام آپ کے دیوان سے ترتیب وار ناظرین اللطیف کی خدمت میں پیش ہے۔

ہے محمدؐ حبیب مولا کا
ہے ازل سوں قریب مولا کا

کُنہ اس کا نہیں کسے معلوم
او ہے سرِّ غریب مولا کا

افضل الانبیاء محمدؐ ہے
سب پو فضلِ عجیب مولا کا

قاف تا قاف سب مطیّب ہے
اس سوں آتا ہے طیب مولا کا

دینِ مطلق کی دعوتِ حق میں
او ہے ہر جا مجیب مولا کا

دفع کرنے شرارۂ دوزخ
ہے او مفصل نقیب مولا کا

نہ کے آداب اس سوں سیک تمام
ہے او سرور ادیب مولا کا

رغبت اس کی متابعت کا کر
مصطفیٰ ہے رغیب مولا کا

گلشنِ وحی میں واضح ہے
نغمہ زن عندلیب مولا کا

بوج اس سوں حساب رشتے کا
او ہے قربیؔ حبیب مولا کا

رباعیات امجدؒ

حضرت امجدؔ حیدرآبادی

حضرت امجدؔ حیدرآبادی علیہ الرحمہ رباعیات کی دنیامیں اپنی ایک مستقل اور جداگانہ شناخت رکھتے ہیں ان کی رباعیات میں تصوف کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ حضرت صوفی منش امجد کے کلام کو حرز جان سمجھتے ہیں۔ اہل دل حضرات کی خدمت میں رباعیات امجد حصہ اول مطبوعہ ۱۳۸۸ھ کے نسخہ سے چار رباعیات پیش ہیں۔

اِنَّمَا تُوعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ

یعنی قیامت کا وعدہ یقیناً پوراہوکر رہے گا

گردش میں یہ گردِ باد آخر کب تک
طرحِ کون و فساد آخر کب تک
ٹوٹے گا طلسمِ مادّیت اک دن
اضداد میں اتحاد؟ آخر کب تک

یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیھِمْ

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے

بندہ ہے مگر خدا کا دم بھرتا ہے
پروانہ ہے شمع سے نہیں ڈرتا ہے
جب ہاتھ اُٹھاتا ہے دعامیں مُسلم
اپنے رب سے مُصافحہ کرتا ہے

کُلُوْامِنْ طَیِّبَاتِ مَارَزَقْنٰکُمْ

ہماری دی ہوئی پاک چیزیں کھاؤ

لے لے کے خدا کا نام چلّاتے ہیں
پھر بھی اثرِ دعا نہیں پاتے ہیں
کھاتے ہیں حرام لقمہ پڑھتے ہیں نماز
کرتے نہیں پرہیز دوا کھاتے ہیں

اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَات

نیکیاں برائیوں کو مٹادیتی ہیں

پیراہنِ کبر چاک ہوجاتا ہے
نفسِ سرکش ہلاک ہوجاتا ہے
مسلم کے لئے عجیب نعمت ہے نماز
سرخاک میں رکھ کے پاک ہوجاتا ہے

روئداد دارالعلوم لطیفیہ

ہمارے زمانے کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ دنیا کو درس دینے والی قوم اپنی مذہبی کتاب کا درس لینے سے کتراتی رہی ہے اور والدین اپنے بچوں کو علوم دینیہ سے محروم رکھ رہے ہیں۔ جبکہ دنیا میں ہزاروں مدارس اسلامیہ خدا کی امانت کو عوام تک پہنچانے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ والدین اپنی اولاد کو علوم دینیہ اور فنون مختلفہ سے آراستہ کر کے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں اور اولاد کی دنیا و آخرت بہترین بنائیں۔

نہیں ہے شکوہ نہیں ہے شکوہ یہ دردِ دل ہے کسے سنائیں
ہمارے گھر کی ہماری پونجی ہمارے گھر ہے کسے بتائیں کسے سکھائیں؟

آغاز سالِ نو مورخہ ۱۱رشوال المکرم ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۲ ماہ اگست ۲۰۱۳ء روز پیر دارالعلوم لطیفیہ کا نیا تعلیمی سال اور طلباء کا داخلہ شروع ہوا حسب عادت امسال بھی قدیم و جدید طلباء کا داخلہ ہوا۔

دورۂ حدیث صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم کا آغاز مورخہ ۲۶ اگست ۲۰۱۳ء روز پیر صبح ٹھیک 11 بجے دارالعلوم لطیفیہ کے ھال میں ہوا جسکی صدارت عالیجناب مولانا ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ عثمان قادری صاحب ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے فرمائی، یہ مبارک و مسعود جلسہ موصوف کے دعاؤں کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ نیز ۲۵ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ کو ختم بخاری شریف و مسلم شریف موصوف کی صدارت میں منعقد ہوئی اور دعاؤں کے ساتھ انجام پایا۔

انجمن دائرۃ المعارف بتاریخ ۱۸رستمبر ۲۰۱۳ء روز چہارشنبہ دوپہر ۳ بجے دارالعلوم کا افتتاحی جلسہ منعقد ہوا جسمیں عالیجناب ڈاکٹر مولانا سید شاہ عثمان شاہ قادری صاحب مدظلہ کی صدارت تھی۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے عالیجناب مولانا مولوی سید نیاز احمد جمالی ناظم جمالیہ عربک کالج مدراس عربی و اردو میں خطاب فرمایا موصوف علم دین کی حقیقت اور فضیلت پر روشنی ڈالی۔

نوید مسرت ترولور یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء ادیب فاضل میں شریک ہونے والے طلباء شاندار کامیابی حاصل کی ہے الحمدللہ علیٰ ذالک

امتحان ہر سال کی طرح ششماہی و سالانہ امتحانات اساتذہ کرام کی زیر نگرانی ہوئے مورخہ ۲۸ ماہ جنوری ۲۰۱۴ء روز یکشنبہ سے شروع ہوکر ہفتہ بھر ششماہی امتحانات چلے اور مورخہ ۲۴ ماہ مئی ۲۰۱۴ء سالانہ امتحانات چلے اور ایک ہفتہ جاری رہا۔

عباپوشی وعطائے اسناد مورخہ ۱۰ر شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ مطابق ۹ر ماہ جون روز پیر دار العلوم لطیفیہ کے مزین وخوبصورت ہال میں صبح ٹھیک دس بجے سالانہ اجلاس اعلیٰ پیمانے پر منعقد ہوا جسکی صدارت فضیلت مآب مولانا ڈاکٹر سید شاہ عثمان قادری صاحب ناظم دار العلوم نے فرمائی جسمیں مقامی وبیرونی علمائے کرام اور علم دوست حضرات کثیر تعداد میں مدعو تھے اور ناظم موصوف نے بہ نفس نفیس اپنے دست فیض اقدس سے فارغین کو عبا و اسناد عطا فرمایا۔

اور اسی دن شام ایک دوسری نشست میں ذرسیات اور مقالہ نویسی اور اسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلباء کو اور ان عہدیداروں جو سال بھر اپنی عمدہ خدمات کو پیش کیا تھا ان سب کو قیمتی انعامات سے نوازا گیا۔

ھدیہ تشکر ادارہ تمام محبان مدرسہ اور معتقدان حضرت مکان کا شکر گزار ہے جو وقتاً فوقتاً اپنے خلوص سے مدرسہ کے ہر کام کو بھرپور خلوص سے انجام دیتے رہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں دارلعلوم کے عقیدتمندوں اور مخلصوں کو دنیا وآخرت میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

جواھرالسلوک

تصنیف :

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت سید شاہ محی الدین قادری

نقوی ویلوری المعروف بہ حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز

مترجم :

افضل العلماء ابو المکارم سید شاہ مصطفی حسین بخاری قادری

فاضل لطیفیہ

سجادہ نشین آستانہ بخاریہ صاحب مکان کڈپہ۔اے پی

فائدہ۳۳

معمولات مظہریہ کے مصنف مولانا سید نعیم اللہ بہرانجی مجددی مقام عشرہ کے سلوک کی کیفیت کے طریقے میں فرماتے ہیں کہ دس مقامات میں پہلا مقام جس پر حضرات صوفیائے کرام نے سلوک کی بنیاد رکھی ہے وہ مقام توبہ ہے اس کا آخری مقام رضا ہے۔ان دو مقامات اور مرتبوں کے درمیان آٹھ مراتب ہیں جو یہ ہیں۔زہد،توکّل، قناعت، عزلت، ملازمتِ ذکرہٗ،توجہ،صبر اور مراقبہ۔ان کو اصول عشرہ بھی کہتے ہیں۔

ان مراتب کو طئے کرنا ان لوگوں کے طریقہ میں مقدم ہے جو بالذات یعنی بہ نفس نفیس سیر سلوک کے ذریعہ عالم خلق کا تزکیہ کرتے ہیں۔ان لوگوں کے طریقے میں جو سیر جذبی کو مقدم کرتے ہیں ان کو یہ عالم امر کے تصفیہ کے ضمن میں حاصل ہے۔غرض دائرہ امکان کو طئے کرنے سے ان مراتب کا طئے کرنا بھی حاصل ہوتا ہے جیسا کہ حضرت مجدد رضی اللہ عنہ نے رسالۂ مبدأ و معاد میں اس معنیٰ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

جب کوئی طالب طریقت شیخ کے پاس آئے تو شیخ کو چاہئے کہ پہلے استخارہ کرے استخارہ کی تکرار تین سے سات مرتبہ ہونی چاہئے۔ان استخاروں کے بعد اگر طالبِ طریقت میں کسی قسم کا تذبذب پیدا نہیں ہوا ہے تو اس کا کام شروع کر دینا چاہئے۔ پہلے پہل اسکو توبہ کا طریقہ سکھائے۔ دو رکعت نماز کے ساتھ توبہ کرنے کا حکم دے۔ کیونکہ توبہ کے حصول کے بغیر اس راہ میں قدم رکھنا بے سود ہے۔ حصول توبہ کے لئے تھوڑی سی مقدار پر اکتفا کرتے ہوئے تفصیل کو مرور ایام پر چھوڑ دینا چاہئے۔ کیونکہ اس دوز کے لوگوں کی ہمتیں بہت ہی ناقص ہیں۔ اگر شروع ہی میں تفصیلی توبہ کے حصول کی تکلیف دے دی جائے جس کے لئے ایک مدت درکار ہوتی ہے ہوسکتا ہے کہ اس مدت میں اس کی طلب میں فتور واقع ہو جائے اور وہ اپنے مطلب و مقصود سے باز رہ جائے ممکن ہے توبہ کو بھی انجام نہ دے سکے۔ اس کے بعد اس طریقے سے تعلیم دے جو طالب طریقت کی استعداد اور صلاحیت کے مناسب پر۔ نیز جو ذکر اس کی قابلیت کے مطابق ہو اس کی تلقین کرے اس کے کام کی طرف توجہ رکھے اور اس کے حال کی طرف التفات کرے۔ اس راستہ کے آداب و شرائط کو بیان کرے۔ کتاب و سنت اور سلف صالحین کے اقوال کی پیروی کی ترغیب دے اس لئے کہ کتاب و سنت کی اتباع کے بغیر مطلوب و مقصود تک پہنچنا ناممکن و محال ہے۔ اُسے یہ واضح کرا دے کہ جو بھی حالات منکشف ہوتے ہیں اگر وہ سر مو یعنی ذرا برابر بھی کتاب و سنت کے خلاف ہوں تو ان کا اعتبار نہ کرے بلکہ ان سے بیزار اور متنفر ہو جائے۔ فرقۂ ناجی اہل سنت و جماعت کے آراء کے مطابق عقائد کو ٹھیک اور درست رکھے فقہ اسلامی کے ضروری احکامات کی تعلیم کے ساتھ ان پر عمل کی تاکید کرے۔ کیونکہ اس راہ میں ان دو اعتقادی اور عملی بازؤں کو حاصل کئے بغیر اڑنا محال ہے۔ نیز تاکید کرے کہ حرام اور مشتبہ لقمہ سے پوری طرح احتیاط برتے جو چاہے اور جہاں سے مل جائے نہ کھائے جب تک کہ شریعت غرا کے حکم کو اچھی طرح معلوم نہ کر لے۔ غرض تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَمَا اٰتیکما الرسول فخذوہ و ما نھکم عنہ فانتھوا یعنی رسول تم کو جو بھی عطا کریں اس کو لے لو اور جس سے تمہیں منع کریں اس سے باز آ جاؤ (سورۃ حشر رکوع ۴ پارہ ۲۸) کو اپنا نصب العین بنا لے۔

طالبانِ راہ طریق کی حالت دو باتوں سے خالی نہیں ہوتی ہے۔ یا تو وہ اہل کشف و معرفت سے ہوتے ہیں یا ارباب جہل و حیرت سے ہوتے ہیں۔ لیکن دونوں جماعتیں منازل کے طئے کرنے اور حجابات کے اٹھ جانے کے بعد واصل ہوتے ہیں۔ نفس وصول میں ایک دوسرے پر کسی قسم کی فضیلت اور برتری نہیں ہوتی ہے۔ جیسا کہ دو آدمی ایک طویل راستہ طئے کرنے کے بعد کعبۃ اللہ پہنچتے ہیں۔ ایک تو راستہ کی منزلوں کو دیکھتا ہوا چلا اور اپنی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق ہر ایک منزل کی تفصیل کو جانتے پہچانتے ہوئے کعبۃ اللہ پہنچ گیا اس کے برخلاف دوسرا آدمی راستہ کی منزلوں کو دیکھے بغیر

اور ہر ایک منزل کو جانے پہچانے بغیر کعبۃ اللہ پہنچ گیا۔ دونوں آدمی کعبۃ اللہ پہنچنے میں برابر ہیں کسی کو بھی کعبۃ اللہ پہنچنے میں ایک دوسرے پر کوئی بڑائی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اگرچہ کہ راستہ کی منزلوں کی معرفت کے تعلق سے دونوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ مطلوب تک پہنچنے کے بعد دونوں کے لئے جہل لازم ہے لان المرفۃ فی ذات اللہ جھل و عجز عن المعرفۃ کیونکہ اللہ کی ذات میں معرفت، معرفت سے جہل اور عجز ہے۔

جاننا چاہئے کہ منازل سلوک قطع کرنے سے مراد مقامات عشرہ کا طئے کرنا ہے۔ مقامات عشرہ کو طئے کرنا ان تینوں تجلیات یعنی (۱) تجلی افعال (۲) تجلی صفات (۳) تجلی ذات۔ پر منحصر ہے۔ ان مقامات میں سے مقام رضا کو چھوڑ کر تمام مقامات تجلی افعال اور تجلی صفات کے ساتھ وابستہ ہیں مقام رضا تجلی ذات تعالیٰ وتقدس سے وابستہ ہے۔

محبت ذاتی محبوب کے ایلام وانعام یعنی اس کے طرف سے پہنچنے والے دکھ اور سکھ کو محبت کی وجہ سے مساوات اور برابری کو لازم کر دیتی ہے۔ اس سے یقیناً رضا مندی کا ثبوت ملتا ہے نفرت و ناراضگی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان تمام مقامات کا حدِ کمال کو پہنچنا ہوتا ہے۔ تجلی ذاتی کے حصول کے وقت جس سے فنائے اتم وابستہ ہے تجلی افعال اور تجلی صفات کے نو مقامات حاصل ہوتے ہیں۔

مثلاً جب کبھی سالک حق سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کاملہ کا مشاہدہ خود پر اور تمام اشیاء پر کرتا ہے تو بے اختیار توبہ اور انابت کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ خائف اور ترسان ہوتا ہے ورع اور پرہیز گاری کو اپنا شیوہ بنا لیتا ہے اُس کے فصلوں پر صبر و تحمل اختیار کرتا ہے بے صبری کو ترک کر دیتا ہے۔ جب وہ نعمتوں کا مالک اور دینے والا اور نہ دینے والا حق سبحانہ وتعالیٰ ہی کو سمجھتا ہے تو لازماً مقام شکر میں چلا جاتا ہے اور مقام توکل میں اپنے قدم مضبوطی کے ساتھ جما لیتا ہے۔ جب اُس سے شفقت و مہربانی ظاہر ہوتی ہے تو وہ مقام رجا مقام امید میں چلا جاتا ہے۔ جب وہ وہاں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کی نظر میں یہ دنیائے دنی خوار و بے اعتماد ہو جاتی ہے ناچار دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے فقر اختیار کر لیتا ہے زہد کو اپنی عادت بنا لیتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ ان مقامات کو تفصیل اور ترتیب کے ساتھ حاصل کرنا کسی بھی سالک و مجذوب کے لئے خاص اور ضروری ہے۔ مجذوب اور سالک کے لئے ان مقامات کو طئے کرنا اجمالاً ہوتا ہے کیونکہ اس کو عنایت ازلی نے اسی محبت میں گرفتار کر دیا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ ان کے تفصیل میں مشغول نہیں ہو سکتا۔ اس محبت کے ضمن میں ان مقامات کی اور ان منازل کا خلاصہ کلی طور پر اس کو حاصل ہوتا ہے جو صاحب تفصیل کو بھی میسر نہیں ہے۔

نیز اسی رسالے میں فرماتے ہیں کہ اس طریقہ کی تمامیت اور نہایت انہائیت تک پہنچنا مقامات عشرہ مشہورہ کے

طئے کرنے پر موقوف ہے جس کا اول توبہ اور آخر رضا ہے۔مراتب کمال میں کوئی مقام بھی مقام رضا سے بلند متصور نہیں ہے۔حتی کہ رویت اخروی بھی۔مقام رضا کی حقیقت جیسا کہ چاہئے آخرت میں ظہور کرے گی۔دوسرے مقامات کا حصول آخرت میں مقصود نہیں ہے۔توبہ کا وہاں کوئی معنی ہی نہیں ہے،زہد کی کوئی گنجائش نہیں،توکل کی کوئی صورت نہیں،صبر کا احتمال ہی نہیں،ہاں شکر وہاں ضرور مستحق ہے مگر وہ شکر رضا ہی کی شاخ ہے اس سے الگ نہیں ہے۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کبھی کامل و مکمل میں بھی دنیا کی رغبت ظاہر ہوتی ہے اور کراہت ناپسندیدگی جو رضا کا ضد ہے اس میں پائی جاتی ہے اس کی کیا وجہ ہے۔اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ان مقامات کے حصول کا تعلق قلب و روح سے ہے ان انتہائی خاص مقامات کے ساتھ نسبتِ مطمئنہ میں بھی حاصل ہوتی ہے۔مگر قالب یعنی جسم اس معنی سے خالی اور بے بہرہ ہوتا ہے اور وہ حدّت وشدّت سے بہت دور رہتا ہے۔

ایک شخص حضرت شبلی قدس سرہٗ سے پوچھا کہ آپ تو محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہ فربہی یہ جسامت محبت کے منافی ہے۔اس کے جواب میں آپ نے یہ شعر پڑھا

احب قلبی وما دری بدنی ولو دری ما قاھر فی السمن

میرا دل دوستی کیا بدن اس کو سمجھا نہیں اگر بدن اس کو سمجھ لیتا تو موٹا نہیں ہوتا

اگر کسی کامل کے قالب و جسم میں ان مقامات کے منافی چیزیں ظاہر ہوں تو وہ نقصان دہ نہیں ہیں ان مقامات کے حصول میں نسبت اس بزرگ کے باطن سے ہوتی ہے۔غیر کامل انسان میں ان مقامات کے نقائص کلی طور پر ظاہر ہوتے وہ اپنے ظاہر و باطن میں راغبِ دنیا ہو جاتا ہے اور توکل کے منافی صورت اور حقیقت اس کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے۔قلب اور قالب سے کمزوری اور اضطراری ظاہر ہونے لگتی ہے اور روح و بدن سے کراہت اور ناپسندیدگی ظاہر ہونے لگتی ہے۔یہی وہ باتیں ہیں کہ جس کو حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے اولیاء کا خیمہ بنایا اور اکثر لوگوں کو ان بزرگوں کے کمالات سے محروم رکھا۔

اولیاء اللہ میں ان چیزوں کے باقی رکھنے میں ایک لطیف حکمت ہے وہ یہ ہے کہ باطل سے حق کا ماتیاز نہ کرنا جو اس دنیا کے لوازمات سے ہے جو مقام آزمائش اور امتحان ہے۔دوسری حکمت ان اشیاء کے باقی رکھنے کی ہے کہ اگر وہ اولیاء اللہ سے پوری طرح ختم ہو جائیں تو ترقی کی راہ محدود ہو جائے گی ایک ہی رنگ میں پڑا رہ جائے گا۔

☆☆☆☆☆

نقوش طاہر

سالنامہ الطیف میں حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمۃ سابق ناظمِ دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور۔ کا ایک مفید و دلچسپ اور فکر انگیز مضمون اس شمارہ کی زینت ہے۔ ادارہ

الحمدللہ تمام حمد وثنا اس خدائے قدوس کے لئے ہے، جس نے آدمؑ وحوّاؑ کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا، تمام نعمتیں اسی کی عطا کردہ ہیں۔ اسی کی قدرت کے کرشمے بے حد و بے انتہا ہیں۔ جس کے احاطہ سے انسانی عقل قاصر ہے۔ چند واقعات و نصائح صالحین ومقبولین بارگاہِ الٰہی کے، استفادۂ ناظرینِ ''اللطیف'' کی غرض سے پیش ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا: جاؤ میرے خلیل ابراہیم سے مل کر آؤ۔ تعمیل حکم کی خاطر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور فوراً بعد واپس ہو کر عرض کیا۔ یا رب العزّت یہ تو بہت مال و دولت رکھتے ہیں پھر یہ تیرے دوست کیسے ہوے؟ حکم ہوا کہ جاؤ پھر تم اُن سے مل کر آؤ۔ جبرئیل علیہ السلام دوبارہ آتے ہیں اور ابراہیم خلیل اللہ سے ایک سائل کی طرح سوال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ایک اونٹ دیجئے ابراہیم خلیل اللہ، اللہ کا نام سُن کر پھر دوبارہ اس نام کو سُننے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں۔

تو جبرئیل علیہ السلام نے وہی سوال کیا کہ اللہ کے واسطے ایک اونٹ دیجئے۔ اس نام کی لذّت میں سرشار ہو کر پھر دوبارہ کہنے کی درخواست کی تو پھر جبرئیل امین نے وہی سوال دہرایا آپ اس لذّت بھرے نام کو سُن کر تڑپ اٹھتے ہیں اور اپنے تمام اونٹوں اس پاک نام کے عوض پیش کر دیتے ہیں۔ جب جبرئیل علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا: کہ کیا تم میرے دوست ابراہیم سے ملے؟ جواب میں اُنھوں نے پُورا حال سُنایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ہر چیز پر قادر ہوں اور میں ہی بہتر جانتا ہوں۔

سرکارِ غوث پاکؒ اپنی تصنیفِ لطیف ''غنیۃ الطالبین'' میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں میں پوشیدہ رکھا ہے۔ اپنے برگزیدہ بندوں کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھا ہے۔ شبِ قدر کو ماہِ رمضان میں پوشیدہ رکھا ہے۔ طاعت اور عبادت کو بندگان پر اپنی رضامندی کو پوشیدہ رکھا ہے۔ گناہوں پر اپنے غضب اور غصّہ کو پوشیدہ رکھا ہے اور وسط کی نمازوں کو اور نمازوں سے پوشیدہ رکھا ہے۔

ناظرین ''اللطیف'' کے مزید معلومات و دل چسپی کے لئے ایک فیصلۂ خداوندی جس کے بارے میں قرآن خود ناطق ہے۔ پیش کیا جارہا ہے۔

ایک روز خلیفۂ ہارون رشید اپنی بیوی زبیدہ سے گفتگو کررہا تھا۔ اسی اثنائے بحث و تکرار میں زبیدہ کی زبان سے نکل گیا کہ اے دوزخی، اس جملہ کو سنتے ہی ہارون رشید نے کہا، کہ اگر میں دوزخی ہوں تو تجھے طلاق ہے۔ خلیفہ نے فوراً اپنی بیوی سے پردہ کیا اور علماء کو جمع کرکے اس بارے میں ان کا متفقہ فیصلہ و فتویٰ طلب کیا۔ تمام علماء بہت ہی غور و خوص کے بعد کچھ فیصلہ سُنانے سے قاصر رہے اور یہ کہا کہ اللہ ہی کو علم ہے تو ایک نوجوان عالم ان ہی میں سے اُٹھے اور کہا کہ اس معاملہ کا حل میں کرتا ہوں۔ پورے دربار کی نظریں اس نوجوان پر لگی رہیں۔ خلیفۂ وقت نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ نوجوان عالم نے کہا کہ آپ کو میری ضرورت ہے یا مجھ کو آپ کی ضرورت ہے؟ ہارون رشید نے کہا: مجھ کو آپ کی ضرورت ہے۔ یہ سُن کر اس نے کہا: کہ آپ تخت سے نیچے اتر کر آیئے، کیوں کہ علماء کا رتبہ بلند تر ہے۔ خلیفہ تخت سے نیچے اُتر آیا اور آپ تخت پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ یہ نوجوان عالم حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اور اس وقت آپ کی عمر پچیس برس کی تھی۔ تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہی آپ نے خلیفہ سے سوال کیا کہ کبھی تم کسی گناہ سے باوجود اس کی قدرت رکھنے کے خدا کے خوف کے سبب اس کے کرنے سے باز بھی رہے؟ ہارون رشید نے کہا کہ ہاں! خدا کی قسم میں باوجود قدرت رکھنے کے خُدا کے خوف کے سبب کرنے سے باز رہا۔ یہ سُن کر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں فتویٰ دیتا ہوں اور وہ فیصلہ جو فیصلۂ خداوندی ہے سُناتا ہوں کہ خلیفہ اہل بہشت سے ہے اور اس دلیل میں قرآنی آیت پیش فرماتے ہیں:

واما من خاف مقام ربّہ ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماویٰ۔ یعنی جس شخص نے گناہ کا فیصلہ کیا اور پھر خدا کے خوف سے اس سے باز رہا پس تحقیق کہ بہشت اس کی جائے ہے۔ سب علماء اس

فیصلہ پر انگشت بدنداں رہے۔(انوار الاذکیا)

اللہ کے محبوب بندے کے قلوب کتنے یقین محکم والے ہوتے ہیں اور ان کو اپنے رب پر کتنا کامل بھروسہ ہوتا ہے۔اس کا اندازہ واقعۂ ذیل سے لگائیے کہ

سرکارِ غوث پاک حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔اس وقت بہت سے لوگ آپ کی مجلس میں شریک تھے۔کسی نے آ کر کہا کہ یا حضرت! آپ کا جہاز جو مال سے لدا ہوا آ رہا تھا۔سمندر میں غرق ہو گیا۔آپ نے اپنے چہرۂ مبارک کو دل کی طرف جھکایا اور پھر اوپر اٹھا کر کہا۔کہ الحمدللہ،تھوڑی دیر گزرنے نہ پائی تھی کہ کسی اور شخص نے آ کر اطلاع دیا کہ یا حضرت! آپ کا جہاز سمندر پر سلامتی سے آ رہا ہے۔اس خبر کو سن کر آپ نے اپنے سرِ مبارک کو پھر دل کی طرف جھکایا اور اٹھا کر کہا کہ الحمدللہ۔اربابِ مجلس نے دریافت کیا کہ۔یا حضرت! دو مرتبہ الحمدللہ کہنے کا کیا مطلب ہے،آپ نے فرمایا: کہ میں نے اپنے دل کو ان دونوں حالتوں میں اللہ کی طرف سے مطمئن پایا،جہاز کے غرق ہونے سے نقصانات کی کیفیت سے دل پر رنج و ملال کا کوئی اثر نہ پایا اور نہ ہی جہاز کا بہ حفاظت تمام آنے کی خوش خبری سے اپنے دل پر خوشی کے کوئی آثار نہ پایا۔اپنے دل کو پُر سکون و مطمئن پانے کی وجہ سے اللہ کا شکر بجالایا۔

ایک مومن کے اخلاق کیا ہونے چاہئیں اور اس کے کردار کیسے بلند ہوں،اس کا اندازہ حضرت سرورِ کونین حضور رسولِ مقبول ﷺ کے زرّین ارشاد سے ملاحظہ فرمائیے کہ ایک روز آپ نے اپنے صحابی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ اے معاذؓ! یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا۔قرآنِ کریم کو اچھی طرح سمجھ کر پڑھنا۔سلام کی کثرت رکھنا،سچ بولنا،وعدہ وفا کرنا اور کبھی امانت میں خیانت نہ کرنا۔اے معاذؓ! تم کو ان باتوں کی ممانعت کرتا ہوں کسی دانش مند کو کبھی گالی نہ دینا۔امام عادل کی کبھی نافرمانی نہ کرنا۔ملک میں کبھی فساد نہ مچانا۔جو گناہ مخفی ہو اس کی توبہ مخفی کرنا اور جو گناہ علانیہ سرزد ہو جائے اس کی توبہ علانیہ کرنا اور یاد رکھو کہ بندگانِ خدا میں ایسا ہی ادب ہوا کرتا ہے اور میں خدا کے بندوں کو مکارمِ اخلاق اور محاسنِ آداب کی طرف بلاتا ہوں۔

یا خدا! ناظرین ''اللطیف'' و دیگر مسلمانوں کو ان مکارم اخلاق اور محاسن آداب کی جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ کریمانہ ہیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین! ثم آمین!!

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت قطب ویلور کی اسیری و رہائی

از: ڈاکٹر سید عثمان شاہ قادری
ناظم دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور

حضرت قطب ویلور سید شاہ عبد اللطیف قادری اقطاب ویلور کے مشہور بزرگوں میں سے ایک ہیں۔ آپکے زمانے میں ہندوستان کے اندر جنگ آزادی کی لڑائی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ انگریز جس کسی پر بھی شبہ کرتے اسے قید کر دیتے اور اس پر مقدمہ چلاتے۔

حضرت قطب ویلور کے تقاریر ہوا کرتے تھے جس میں آپ دعوت اسلام پیش کیا کرتے تھے۔ ایسے میں مسلمانوں میں ہی سے چند لوگ حضرت قطب ویلور کے دشمن ہو گئے کیونکہ وہ دعوت حق پیش کیا کرتے اور حق بات بعض لوگوں کو پسند نہیں آتی۔ ایسے میں انھوں نے موقعہ کا فائدہ اٹھا کر انگریزوں کے یہ کان بھرے کہ حضرت قطب ویلور ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف لوگوں کو بہکا رہے ہیں۔

انگریز نے کسی قسم کی تحقیق کئے بغیر حضرت قطب ویلور کو چتور کی جیل میں قید کر دیا۔ رات کا وقت تھا اور حضرت قطب ویلور قید خانہ میں تلاوت قرآن فرما رہے تھے۔ جہاں روشنی نہ تھی، قید خانہ کے عملے کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ قید خانہ اچانک روشن ہو گیا اور حضرت قرآن مجید میں مصروف ہیں۔ چونکہ وہ بھی صاحب کتاب تھے یعنی عیسائی تھے یہ امت دیکھ کرا علیٰ افسروں کو اس کی اطلاع فرمائی۔ وہ حضرات آکر حضرت سے معافی مانگے اور معلوم کرنا چاہا کہ وہ کون آپکے دشمن ہیں جنہوں نے یہ سازش کی حضرت قطب ویلور نے فرمایا کہ مجھے کسی پر شک نہیں تو انگریز آپکو بعزت رہا کر دیا۔

یہ تھی حضرت قطب ویلور کی اسیری و رہائی کی داستان۔ یہ اللہ والے بزرگان دین عام لوگوں کی طرح خود غرض اور مطلبی نہیں ہوتے اور نہ ہی اپنے دشمنوں سے کوئی انتقام لیتے ہیں۔

کیونکہ یہ جو کچھ بھی ہیں دوستی ہو یا دشمنی صرف اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی رضا کیلئے کرتے ہیں اور ہمیشہ حق و صداقت پر قائم رہتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے رسول صلی اللہ وعلیہ وسلم کے صدقہ و طفیل سے ہم تمام کو ان بزرگان دین کے حقائق سے واقف کرائے اور انکے نقش قدم پر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خانوادۂ حضرت قطب ویلورؒ
کے ساتھ مولانا سید شاہ ابوالحسن علی ندویؒ کا قلبی ربط و تعلق

از: مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ایم اے، پی ایچ، ڈی
استاذ تفسیر دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور

تاریخ کے ہر دور میں حضرات صوفیہ دنیا کے مختلف حصو سے سرزمین ہند پہنچتے رہے، اوران سے وسیع پیمانہ پر تعلیم وتبلیغ اور اصلاح وتزکیہ کا کام انجام پاتا رہا۔ اوران میں سے بعض حضرات کرام کے دعوتی اور اصلاحی عمل نے سلاسل صوفیہ کے نام سے اپنی ایک شناخت بنالی ، اوران سلاسل سے مختلف اور متعدد مکتبہ نظر اور منہاج عمل کی بنیاد پڑیں۔ اور بعض سلسلے ہندنژاد صوفیہ کی ذات سے بھی چل پڑے اوران کے ناموں سے منسوب ہوئے۔ جیسے سلسلہ شطاریہ، قلندریہ، مداریہ، اور مجددیہ وغیرہ۔ اوران تمام سلسلوں نے خواہ وہ بیرونی ہوں، یا اندرونی ہندوستانی باشندوں کی زندگی پر بڑے گہرے اور مفید نقوش چھوڑے ہیں اور ہرزمانے میں ملت اسلامیہ ہند کے خواص اور عوام کی اکثریت ان سلاسل سے وابستہ اور منسلک رہی اور اپنی علمی وروحانی پیاس بجھاتی رہی ہے، اوران بزرگوں کی خانقاہیں علم شریعت اور تصوف وسلوک کا مرکز اور محور رہی ہیں۔ یہ الگ پہلو ہے کہ بعض خانقاہوں کے اس علمی واصلاحی کردار پر بدعات وخرافات کا غبار چھا گیا اوران کے فیض کا دائرہ سمٹتے چلا گیا، علامہ اقبال مرحوم نے بھی یہ کیفیت محسوس کی تھی جسکا اظہار انہوں نے ایک شعر میں کیا ہے۔

اٹھا میں مدرسہ وخانقاہ سے غم ناک　　نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

اس ضعف وانحطاط کے باوجود خانقاہوں سے ہندوستانی معاشرہ میں جو مفید اثرات پھیلے اور پھیل رہے ہیں، ان کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ شاید ہی وہ افادی پہلو تھا جسکے پیش نظر علامہ اقبال نے مدارس ومکاتیب سے متعلق اپنے منفی نقطہ نظر سے رجوع فرمالیا۔

بارہویں صدی ہجری کے چوتھے دہے ۱۱۳۸ھ میں حضرت سید شاہ عبداللطیف قادریؒ بیجاپوری (متوفی ۱۱۴۹ھ) کی ذات گرامی سے ویلور دارالسرور میں ایک سلسلہ کی داغ بیل پڑی۔ اور آپ سے ایک علمی وروحانی دودمان عالی شان کی ابتداء ہوئی جو آگے چل کر خانوادۂ حضرت قطب ویلور کے نام سے موسوم اور مشہور ہوا۔

اس خانوادہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ رہی کہ اس نے علم اور عمل کو بنیادی حیثیت دی۔ اور غیر شرعی اعمال اور غیر مفید خانقاہی رسوم و مراسم کی جانب چنداں التفات نہیں کیا، اور علم شریعت اور تصوف و سلوک کے درمیان ایک حسین و جمیل اتباط اور امتزاج قائم رکھا۔ فقہی اختلافات اور فروعی مسائل میں اعتدال کی روش اختیار کی۔ اور تصوف کے اختلافی مسائل اور امور کے درمیان توازن برقرار رکھا۔ اور ان میں تطبیق اور افراط و تفریط سے اپنا دامن بچائے رکھا۔ اس کا یہی وہ مزاج اور منہاج ہے جو خواص اور عوام دونوں کے لئے اسکی جانب کشش و جاذبیت کا باعث بنا۔ اور مختلف مسالک اور مشارب کے اہل علم اور عوام نے خانوادۂ حضرت قطب ویلور کے ساتھ قلبی ربط اور تعلق قائم کیا۔

ان ہی اہل تعلق کے طبقۂ خواص میں سے ایک عالم گیر شہرت کی حامل عالمانہ، داعیانہ اور صوفیانہ شخصیت بھی ہے جو دنیائے اسلام میں حضرت مولنا سید شاہ ابوالحسن علی حسنی ندوی علیہ الرحمہ کے نام نامی اور اسم رامی سے پہچانی جاتی ہے۔ آپ خاندان نبوت کے چشم و چراغ تھے، سادات حسنیؓ کی پاک عادتیں اور صاف خصلتیں موروثی طور پر آپ کے اندر موجود تھیں جن کا ظہور زندگی کے نشیب و فراز اور حالات میں ہوتا رہا۔ علاوہ ازیں آپ کو متعدد مشائخ کرام سے نسبتیں حاصل تھیں جن میں حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا احمد علیؒ لاہوری اور مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

خاندان اور خون کے اثرات و کیفیات اور متعدد مشائخ کرام کی توجہات تصرفات کے باعث آپ کی شخصیت نور علی نور کے مصداق بن گئی۔

مولانا ابوالحسن نے تصوف میں کوئی مبسوط اور ضخیم کتابیں تصنیف نہیں کی ہیں اس پہلو سے آپ کا تحریری سرمایہ نہایت قلیل ہے لیکن یہ اپنے اندر اس قدر گہرائی اور گیرائی اور وسعت و جامعت رکھتا ہے کہ وہ کئی دفتروں پر بھاری اور وزنی ہے۔ چنانچہ تصوف کے باب میں آپ کی یہی کاوش کیا کم ہے کہ آپ نے اہل اللہ اور اصحاب دل کی سیرت و سوانح کے ان پہلوؤں کو اجاگر اور نمایاں کیا جو علم و فن، تصوف و فقہ اور دعوت و عزیمت سے متعلق تھے اور یہ وہ پہلو تھے جو روایات و حکایات اور کرامات کے پردے میں چھپ گئے تھے۔ آپ نے علامہ ابن تیمیہ کو ان کی زندگی کے حالات و کیفیات اور تصنیفات کی روشنی میں ایک عارف باللہ، باعمل صوفی اور صاحب ذوق بزرگ کی حیثیت سے علمی دنیا کے سامنے پیش کیا ورنہ عموماً لوگ بلکہ اہل علم بھی علامی ابن تیمیہ کو ایک عالم ظاہر

تصور کررہے تھے، اپنی کتاب تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک، میں علامہ ابن تیمیہ سے متعلق حافظ سراج الدین البزاز کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

لاواللّٰہ مارأیت أحدااشد تعظیماً لرسول اللّٰہ ﷺ ولااحرص علی اتباعہ ونصرماجاء بہ منہ (الکواکب الدریہ)

خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کا اتنا ادب واحترام کرنے والا اور آپ ﷺ کے اتباع اور آپ ﷺ کے دین کی نصرت کی حرص رکھنے والا ابن تیمیہ سے بڑھ کر کسی اور کو نہیں دیکھا۔

مولانا ابوالحسن کی نظر تصوف اور اسکے مبادیات ومسائل اور صوفیہ کے اختلافات اوران کے وجوہ و اسباب پر بڑی گہری اور عمیق تھی۔ شیخ محی الدین ابن عربی اور امام ربانی مجدد الف ثانی کے نظریاتی اختلافات پر بھی بڑی گہری نگاہ تھی۔ آپ نے ان دونوں حضرات کے مکتبہ نظر کا احتساب اور جائزہ لیا ہے جو تصوف میں وجودیہ اور شہودیہ کے عنوان سے معروف ہیں۔ آپ نے وجودیہ کے مقابلہ میں شہودیہ کو ترجیح دی ہے۔

سیاق میں خانوادۂ حضرت قطب ویلور کے بعض امتیازات اور مولانا ابوالحسن کی بعض خصوصیات کی مختصر اور ہلکی سی نشاندہی اس لئے کی گئی ہے کہ خانوادۂ حضرت قطب ویلور اور مولانا ابوالحسن کے درمیان ارتباط قلبی کی بنیاد معلوم ہوسکے۔ اس ربط وتعلق کی سب سے بڑی بنیاد تو خاندان اور خون کا اشتراک ہے، دریۃ بعضھا من بعض یہ ایک ہی نسل تو ہے جس میں ایک دوسرے کا فرزند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خانوادہ قطب ویلور سے اخلاق و محبت اور تعظیم وتکریم کا اظہار ہوتا رہا۔

دوسری بنیاد یہ رہی کہ فرفین سے مزاج ومنہاج اور فکر وعمل میں مناسبت اور موزونیت تھی جس نے ربط و تعلق کے اندر استوار ودوام کی کیفیت پیدا کردی، ندوۃ العلماء کی تحریک سے مولانا ابوالحسن کا خاندان روزاول ہی سے جڑا رہا اور آج یہ تعلق مزید وسعت اور استحکام اختیار کرچکا ہے۔ ندوہ تحریک سے خانوادۂ حضرت قطب ویلور بھی روز اول ہی سے جڑا رہا۔ اور ایسے وقت میں ندوہ کا حامی اور طرف دار رہا جب کہ یہ تحریک صوبۂ مدراس میں ناقابل اعتناء تھی اور مختلف الزمات اور اتہامات کا شکار تھی۔ اس وقت کے سجادہ نشین حضرت مولانا ررکن الدین سید شاہ محمد قادری ویلور (متوفی ۱۳۳۵ھ ۱۹۰۷ء) نے ۱۹۰۴ء میں مدراس میں منعقد ہونے والے ندوہ کے جلسوں میں شرکت کے لئے اپنے صاحبزادے حضرت مولانا سید شاہ عبداللطیف قادری رابع

(متوفی ۱۳۳۸ھ) کو علماء کے ایک وفد کا سربراہ بنا کر بھیجا،

یہی وہ معنوی و روحانی اور تاریخی پس منظر تھا جو ۱۹۷۰ء میں پیش نظر میں تبدیل ہوگیا اور پہلی مرتبہ مولانا ابوالحسن نے خانقاہ حضرت قطب ویلور و دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور میں قدم رنجا فرمایا۔ اسکے بعد آپ کی آمدورفت کا سلسلہ چل پڑا۔ جو تادم زیست قائم رہا۔ دارالعلوم لطیفیہ کے سابق استاد حضرت مولانا ابوالمکارم سید شاہ مصطفیٰ حسین بخاری لطیفی کڈپوی کے قلم سے مولانا ابوالحسن کے اس اولین ورودِ مسعود کا جو منظر نامہ ہے وہ اپنے اندر بڑی وقعت وافادیت رکھتا ہے اور اسکے مطالعہ سے خانوادۂ حضرت قطب ویلور اور مولانا ابوالحسن کی شخصیت کے پہلو اور آپ کی فکر انگیز تقریر کے بعض اجزاء ہمارے سامنے آتے ہیں یہ نگارشات سال نامہ اللطیف ۱۹۷۰ء کے اوراق کی زینت ہیں یہاں من وعن نقل کیا جارہا ہے۔

مولانا سید شاہ ابوالحسن علی ندوی زید مجدہ کا خیر مقدم

عالم اسلام کی مشہور و معروف شخصیت عالی جناب الحاج مولانا سید شاہ حضرت ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ (اتر پردیش) اس سال ماہِ جولائی کے اواخر میں جناب ٹی عبدالواحد ادارۂ تحقیقات اسلامیہ مدراس کی دعوت پر شہر مدراس آئے۔ موصوف کو ''انوار اقطاب ویلور'' کے مطالعہ نے اس مقدس خاندان سے ملاقات کا اشتیاق پیدا کردیا تھا۔ اسی لئے مدراس آنے لگے تو اپنے پروگرام میں ویلور، دارالسرور کو داخل کرلیا۔ مدراس کے پنج روزہ اجلاس کے بعد ۲ اگست ۱۹۷۰ء یکشنبہ کی صبح ویلور تشریف لائے۔

جیسے ہی آپ کی کار، مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ میں داخل ہوئی ناظم دارالعلوم لطیفیہ عالیجناب مولانا حضرت ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری دامت برکاتہم العالی بی، اے، اساتذۂ کرام، طلبائے عزیز جو اپنے مخصوص یونیفارم میں ملبوس تھے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ مولانا دارالعلوم کی دلکش عمارت، پرفضا مقام اور طلباء کے ڈسپلن کو دیکھ کر بہت خوش ہووے۔ پھر آپ حضرت قطبؒ ویلور قدس سرہ کی خانقاہ میں تشریف لے گئے، جہاں عالیجناب عزت مآب اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکانِ حضرت قطب ویلورؒ قدس سرہٗ سرپرست دارالعلوم لطیفیہ نے آپ کو خوش آمدید کہا، مولنائے محترم خانقاہ میں بہت دیر تک اقطاب ویلور قدس اسرارہم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے، آپ نے زبدۃ العارفین حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المشہور

قطبؒ ویلور قدس سرہ العزیز کے دعوت نامہ پر انتہائی حیرت کا اظہار فرمایا جس میں ملکۂ برطانیہ کوین وکٹوریہ کو دعوتِ اسلام دی گئی تھی۔ مولانا نے کہا کہ یہ عظیم کارنامہ آپ کے جذبۂ ملی، جرأت ایمانی اور عارف باللہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

اس کے علاوہ اس خط سے بھی آپ بہت متاثر ہوئے جس میں حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز نے مفتی بلہاری کے جواب میں مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی کے کافر ہونے کی نفی کی تھی۔ نیز مخزن السلاسل تصنیف حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری بیجاپوری قدس سرہٗ پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کو تو صرف آٹھ دس سلسلوں کا علم لیکن آج ۱۹۱ سلسلوں کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے جواہر الحقائق، جواہر السلوک، فصل الخطاب وغیرہ دوسرے مطبوعہ و قلمی نسخوں کو ملاحظہ فرمایا۔

ناشتہ اور چائے نوشی کے بعد آپ دارالعلوم تشریف لائے جہاں تمام اساتذۂ کرام، طلبائے عزیز اور معززین شہر آپ کے منتظر تھے۔ دارالعلوم کے دلکش مزیّن وسیع ہال میں عالیجناب مولانا مولوی اعلیٰحضرت ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور کی صدارت میں جلسۂ استقبالیہ ترتیب دیا گیا۔ جس میں حافظ محمد ابراہیم کی تلاوت قرآن پاک، اور نعت خوانی کے بعد جناب مولانا سید مصطفیٰ حسین صاحب بخاری کڈپوی مدرس دارالعلوم لطیفیہ نے آپ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔

سپاسنامہ

بقدومِ میمنت لزوم عالیجناب الحاج مولانا حضرت سید شاہ ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ (یو۔پی)

مرحبا صد مرحبا اھلاً وسھلاً

عزت مآب!

ایک ایسی مقدس سرزمین پر جو اپنے جلو میں تین سو سالہ زرین تاریخ رکھتی ہے آپ کا آنا مبارک ہو۔

جناب محترم!

یہی وہ مقدس مقام ہے جہاں سے اقطاب ویلور قدس اسرارہم نے اپنے ہر دور میں بھٹکی ہوی انسانیت کی رہنمائی کی، اپنی پیہم کوششوں اور جانفشانیوں سے جنوب کی تاریکی کو روشنی سے بدلتے ہوئے اس خطہ کو علم کی حقیقی لذّتوں سے روشناس کرایا۔ جنوبی ہندوستان ان کی علمی، عرفانی، ادبی اور اصلاحی خدمات آپ اپنی مثال ہیں۔

ہندوستان کی قدیم ترین درسگاہ امّ المدارس دارالعلوم لطیفیہ جس میں آپ اس وقت فروکش ہیں تقریبا تین صدیوں سے طالبانِ علوم شریعت ومعرفت کو سیراب کرتا آرہا ہے۔ اسی دارالعلوم سے فارغ شدہ طلباء نے جنوب کی یخ بستہ زمین کو لہلہاتے ہوے سبزہ زاروں بدل دیا۔

فضیلت انتساب!

اس دارالعلوم کی کچھ خاص اپنی روایات ہیں جہاں طلباء کو علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی اور تزکیہ نفس کی بھی تعلیم دی جاتی ہے اور اس دارالعلوم سے فارغ ہونے والے طالب العلم کے ایک ہاتھ میں جام شریعت تو دوسرے ہاتھ میں سندانِ عشق ہوتے ہیں۔

ایسے تاریخی اور متبرک مقام پر آپ کی تشریف آوری دارالعلوم، اسکے مربیین، اساتذہ اور طلبا کے لئے باعث مسرت ہے اور یہ دن یادگارِ زمانہ رہے گا۔

فضیلت مآب

آپکی شخصیت عالم اسلام کے لئے محتاج تعارف نہیں۔ آپ کو دنیائے اسلام میں ایک روشن دماغ، اسلامی مفکر، دوراندیش مورخ، دردمند معلم اور سلیم الطبع قائد کی حیثیت سے کون نہیں جانتا؟ ہمیشہ ہم نے محسوس کیا کہ آپ کے مقدس سینہ میں قوم وملت کی سچی تڑپ اور ان کی تعمیر وترقی کا صحیح جذبہ موجزن رہا ہے۔ کئی مرتبہ آپ نے عرب وعجم کے مختلف گوشوں میں جاکر مسلمانوں کو مذہب سے قریب تر کرنے کی کوشش کی اور مذہب اسلام کو صحیح انداز میں عوام تک پہنچانے میں کوشاں رہے۔ جس طرح آپ کی بلند پایہ تصانیف مقبول عام ہیں آپ کی عظیم شخصیت بھی اس سے زیادہ مقبولیت کی حامل ہے۔ آپ کی بلند پایہ معرکۃ الآراء تصانیف نے عالم اسلام میں تہلکہ مچادیا۔

خصوصاً عالم عرب میں ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، نے مدوجزر کی سی کیفیت

پیدا کردی۔ آپکی علمی قابلیت ذہنی صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے اور آپکی تصانیف کے ایک ایک حرف کو آج دنیا داد دے رہی ہے۔ آپ نے اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ ہندوستان ہی کو نہیں عرب دنیا کو بھی ایک نیا فکر اور سوچنے کا انوکھا انداز دیا۔ ہندوستان میں آپ کی عظیم خدمات خصوصاً ندوۃ العلماء کی سرپرستی اور یہاں کے مسلمانوں کے لئے آپ کی دینی واصلاحی کوششیں لائق صد رستائش وقابل رشک ہیں۔ آج جبکہ آپ ہمارے درمیان جلوہ فگن ہیں، ہماری دلی خواہش اور تمنا ہے کہ آپ اپنی صواب رائے، تدبیر صحیح پاکیزہ جذبات اور فکرانگیز خیالات سے مستفید فرمائیں۔

دعا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ میں آپ کو آفاتِ ارضی وسماوی سے محفوظ اور قوم وملت کو آپ جیسے رہنماؤں سے معمور رکھے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

منجانب اساتذہ وطلبائے دارالعلوم لطیفیہ (مکان حضرت قطبؒ ویلور قدس سرہٗ)

بروز یکشنبہ ۲۸ جمادی الاول ۱۳۹۰ھ

مطابق ۱۲ اگست ۱۹۷۰ء

سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوے

مولانا نے اپنے خاص اندازفکر میں فرمایا:

''مدت سے میرے دل میں اس بات کی تمنا تھی کہ اس مقدس مقام کی زیارت کروں، خدانے میری اس خواہش کو آج پورا کیا۔ میں یہاں عالم نہیں بلکہ ایک طالب علم کی حیثیت سے آیا ہوں۔ ان محترموں نے میرے ساتھ جو سلوک تکریم کی ہے، بہت شرمندہ ہوں۔ پھر آپ نے غالبؔ کا یہ شعر پڑھا۔

ہوا ہے شہ کا مصاحب، پھرے ہے اتراتا　　　دگرنہ شہر میں غالبؔ کی آبرو کیا ہے

آپ نے مشائخ صوفیہ وصافیہ کے سلاسل پر روشنی ڈالتے ہوئے طلباء سے کہا عزیز طالب العلمو! تم ایسے مقام پر تعلیم پارہے ہو، جہاں علوم ظاہری کے ساتھ تصفیۂ باطن کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب

والحکمۃ ،اس آیت کریم کو پڑھتے ہوے آپ نے فرمایا کہ انسان کو علم کے ساتھ تزکیہ نفس کی تعلیم ضروری ہے۔تم تصوف کو شریعت کے تابع بنائع چونکہ مجدد الف ثانیؒ نے شریعت کو تصوف پر فوقیت دی ہے اسی لئے وہ مجدد کہلائے۔

آگے چل کر آپ نے فرمایا کہ انسان کے لئے دو چیزوں کی اشد ضرورت ہے۔ایک توکّل دوسرا صبر۔ جب تک انسان اپنے اندر ان دو چیزوں کو جمع نہیں کرتا اس وقت تک اس کا کمال معراج کو پہنچنا ناممکن ہے۔

آپ نے اسی خاندان کے بزرگوں کی مثال دیتے ہوے کہا کہ حضرت سید شاہ عبداللطیفؒ قادری بیجاپوری، حضرت قرؔبی اور حضرت قطبؒ ویلور قدس اسرارہم کے اندر کتنا صبر و توکل تھا۔ان مقدس ہستیوں نے صرف ان دو جوہروں کے ذریعہ بھٹکی ہوی کثیر مخلوق کو سیدھی راہ پر لاکھڑا کیا۔لیکن آج جب علماء سے مسلمانوں کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ زمانہ بہت خراب ہے وہ ہماری باتوں پر کان نہیں دھرتا۔یہ ان کی بیکار باتیں ہیں۔یاد رکھو! جب تک تم زمانے کو نہ جھنجوڑو گے راہِ راست پر نہ آئیگا۔کیونکہ زمانہ بہرہ ہے، اس کے کان میں چیخ کر بولو، اور زمانہ اندھا ہے اس کا ہاتھ پکڑ کے منزل کی طرف لیجاؤ۔نیز اس کی ناک زمین پر رگڑ کے اس طرح چیخ کر بولو کہ وہ پکار اُٹھے **اٰمنّا، اٰمنّا**۔۔!

سلسلۂ بیان کو جاری رکھتے ہوے فرمایا:

ماشاءاللہ تم اچھے خاندان کے نونہال معلوم ہوتے ہو، اب صرف تم سے ایک بات کہونگا وہ یہ کہ تم کسی ایک فن کے اندر مہارت حاصل کرو اور اس کے استاد بن جاؤ، پھر دیکھو کہ تمہارے سامنے زمانہ خود بخود کسطرح کھنچا چلا آئے گا۔

زبدۃ العارفین حضرت رکن الدین محمد سید شاہ ابوالحسن قادری قرؔبی قدس سرہٗ کو لیجئے کہ آپ کو فارسی پڑھنے کا شوق تھا اور ان کو اپنی طبیعت کے موافق قابل استاد بھی ملے، ان سے اس طرح استفادہ کیا کہ خود فارسی کے ایک جید استاد بن گئے۔

اور باقر آگاہؒ جیسے باکمال انسان نے آپ کی تلمذی اختیار کی۔آپ کے مرید و خلیفۂ خاص بن گئے، یہ سب کیسے ہوا۔کثرتِ شوق کی بنا پر۔تم بھی شوق پیدا کرو اور زمانے سے اپنا لوہا مناؤ۔

اس کے بعد مولانا نے دُعا پر اپنی تقریر ختم فرمائی۔

مولانائے محترم کی دلچسپ اور نصائح سے بھرپور تقریر کے بعد

عالیجناب حضرت ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی ناظم دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور نے آپ کی بلند پایہ تقریر کی جانب طلبائے عزیز کی توجہ مبذول فرماتے ہوئے محترم ومکرم عالیجناب الحاج مولانا حضرت سید شاہ ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ (یو، پی) جناب الحاج ٹی عبدالواحق صاحب سابق ممبر پارلمنٹ وبانی ادارۂ تحقیقات اسلامیہ ورئیس آمبور، جناب مدیکار مولوی محمد حبیب اللہ صاحب اور تمام کا شکریہ ادا فرمایا۔

اجلاس کے اختتام کے بعد ناظم صاحب دامت برکاتہم العالی کے ہمراہ آپ نے درگاہ شریف میں حاضری دی جہاں غوث واقطاب محوآرام ہیں اور کچھ دیر عظیم البرکت اعلیٰحضرت قبلہ مدظلہ العالی کے ساتھ مراقب رہے۔زیارت سے مشرف ہونے کے بعد اپنی انبساطی وانشرامی کیفیت اور اپنی اعلیٰ شخصیت کے گہرے نقوش ہمارے قلوب پر مرتسم فرماتے ہوئے روانہ ہوگئے۔

مولانا ابوالحسن ۲ اگست ۱۹۷۰ء کو خانقاہ حضرت قطب ویلور اور دارالعلوم لطیفیہ میں تشریف لائے، یہاں سے لکھنؤ پہنچنے کے بعد ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۸۶ء) کے نام ایک مکتوب ارسال فرمایا جس میں خانوادۂ حضرت قطبؒ ویلور کے بزرگوں کا تذکرہ اور ندوۃ العلماء کے ساتھ ان کے تعاون اور تائید کا بایں الفاظ اعتراف کیا۔

''میں ویلور کی حاضری کو حاصل سفر سمجھتا ہوں، مجھے اس وقت جو انشراح اور انبساط حاصل ہوا، اس کا سبب معلوم نہ تھا۔لیکن وہاں سے واپس آکر میں نے آپ کے عنایت فرمائے ہوئے رسائل پر نظر ڈالی اور لکھنو پہنچ کر اپنے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مشہور عربی تصنیف نزہۃ الخواطر کی چھٹی اور ساتویں جلد دیکھنے کا موقعہ ملا۔اس میں حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؔ قادری علیہ الرحمہ اور حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری قطب ولور کے حالات دیکھے تو اس تعلق قلبی اور انجذاب باطنی کا سبب معلوم ہوا، پھر ندوۃ العلماء کے اجلاس مدراس ۱۹۰۴ء اور اجلاس مدراس ۱۹۱۷ء کی روداد یں دیکھیں ومزید تصدیق ہوئی، کیونکہ پہلے اجلاس میں مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری صاحب نے، جو اس وقت سجادہ نشین تھے۔ ندوہ کی پوری نصرت اور حمایت فرمائی۔خود علالت کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے تو صاحب زادۂ والاشان مولانا سید شاہ عبداللطیف (رابع) کو قائم مقام بنا کر بھیجا، اور انہوں نے ایک جلسہ کی صدارت فرمائی۔ یہ وہ زمانہ

تھا کہ ندوہ کی حمایت کرنا بھی مدراس میں وہابیت کا مترادف سمجھا جاتا تھا۔ یہی وہ گوناگوں تعلقات تھے جو میرے لئے کشش کا باعث ہوئے، اور پورے دورہ میں کہیں بھی میرا جی ایسا نہیں لگا جیسا حضرت مکان میں“

مولانا ابوالحسن جب کبھی ویلور کے گردونواح میں پہنچتے تو حضرت مکان میں بھی حاضری دیتے تھے گدی نشین اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۹۴ء ۱۳۶۵ھ) اور آپ کے برادر محترم سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۸۶ء) اور آپ کے ایک اور برادر محترم حضرت مولنا ابوصالح عمادالدین سید شاہ محمد ناصر قادری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۴۰۴ھ) سے ملاقات کرتے، اور ان حضرات کرام کے ساتھ تناول طعام فرماتے اور یہاں کچھ دیر وقت گذارنے کے بعد دوسرے مقامات کی طرف چلے جاتے، ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ مولانا ابوالحسن جب بھی یہاں تشریف لاتے تو حضرات اقطاب ویلور کی مزارات پر حاضرت دیتے تھے۔ ایک مرتبہ راقم الحروف بھی آپ کے ساتھ درگاہ شریف میں داخل ہوا (جس میں یہ حضرات کرام محوخواب ہیں (۱) حضرت مولانا سید شاہ رکن الدین ابوالحسن قربی قادری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۱۸۳ھ) (۲) حضرت مولانا غلام محی الدین سید شاہ عبداللطیف ذوقیؔ قادری ویلوری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۱۹۴ھ) (۳) حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن ثانی محویؔ قادری ویلوری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۲۴۳ھ ۱۸۲۷ء) (۴) حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری ویلوری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۳۵ھ ۱۹۰۷ء) (۵) حضرت مولانا مولوی حافظ ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری ویلوری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۷۸ھ) (۶) اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۴۱۵ھ ۱۹۹۴ء) تو میری جانب متوجہ ہوئے اور پوچھا، قبلہ کس سمت ہے۔ میں نے نشاندہی کی تو قبلہ کی جانب متوجہ ہوئے اور بہت دیر تک دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا میں مشغول اور منہمک رہے۔ اس مرتبہ میں نے دیکھا کہ آپ حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقی علیہ الرحمہ کے پائی کھڑے ہوئے دعا کی۔

ایک مرتبہ راقم الحروف مولانا ابوالحسن سے ملاقات کے لئے جامعہ دارالسلام عمرآباد پہنچا، آپ سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت فرما رہے تھے جامعہ نے ایک ایسی شخصیت کو مسند صدارت پر فائز کیا تھا جو حنفی مسلک اور صوفی مشرب تھی اور یہ ادارہ حنفیت اور صوفیت سے مغائر ہے۔ اس منظر نے میرے ذھن میں ماضی کا ایک ورق الٹ دیا جس میں جامعہ کی مسلکی رواداری اور احترام باہمی کا تاریخی کردار ثبت تھا۔ اس عظیم دینی درسگاہ

کی بنیاد عالی جناب کاکا محمد عمر صاحب نے ۱۹۲۴ء میں رکھی اس کا جلسۂ افتتاح روز یکشنبہ ۷ دسمبر ۱۹۲۴ء کو نہایت اہتمام اور احتشام کے ساتھ منایا گیا جس میں صوبۂ مدراس کے نامور علماء وفضلاء اور مشائخ کرام اور روئسا عمائدین اور عوام وخواص کی خاصی تعداد شریک رہی۔اس اجلاس کی صدارت حضرت مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری علیہ الرحمہ نے کی جو اس وقت خانقاہ حضرت قطب ویلور کے سجادہ نشین تھے۔آپ کے ہمراہ آپ کے حقیقی برادران کرام بھی شریک اجلاس تھے۔اپنے مسلک موقوف پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کے مسلک کے احترام واکرام کی یہ مثال جو خانوادۂ حضرت قطب ویلور کے بزرگوں نے پیش کی، وہی مثال مولانا ابوالحسن نے بھی پیش کی، یہ وہ طرز فکر وعمل ہے جسکی موجودہ زمانے میں بڑی سخت ضرورت ہے تاکہ امت کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے۔

مولانا ابوالحسن، بزرگان حضرت مکان ویلور کی خوش خلقی، کریم النفسی، اعلیٰ ظرفی، عزت افزائی اور مہمان نوازی سے بے حد متاثر رہے اور اسکا اظہار اپنی زبان وقلم سے کرتے رہے۔آپ نے سجادہ نشین کی خدمت میں ایک مکتوب بھیجا تھا، جس میں ندوۃ العلماء کی رکنیت قبول کرنے کی گذارش تھی، صاحب سجادہ نے راقم الحروف سے جواب تحریر کروایا جس میں اپنی عدم صحت اور مسافت بعیدہ کے پیش نظر رکنیت قبول کرنے سے معذرت پیش کی، اسکے جواب میں مولانا ابوالحسن نے معذرت کی عدم قبولیت کا اظہار کرتے ہوئے یہ صراحت کی کہ آپ ہمیشہ مدراس سے لکھنؤ کا سفر ہوائی جہاز سے کریں اور اپنے ساتھ ایک آدمی کو رکھ لیں، لیکن اعلیٰحضرت اپنی گوشہ نشین طبیعت کی وجہ سے معذرت خواہی پر قائم رہے۔

مولانا ابوالحسن کی یہ پیش کش شاید شکر گذاری کے طور پر رہی ہو کہ اعلیٰ حضرت کے دادا محترم حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری اور والد محترم حضرت مولانا سید شاہ عبداللطیف قادری (رابع) نے ندوۃ کی نصرت وحمایت کی تھی، من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ۔

خانوادۂ حضرت قطب ویلور کے ساتھ مولانا ابوالحسن کا تعلق راقم الحروف کے لئے بھی سفید اور نافع ثابت ہوا، اور آپ کی ذات گرامی کے ساتھ براہ راست اس عاجز کا تعلق قائم ہوگیا۔آپ مجھے اپنی کتابیں عنایت فرماتے رہے جن سے میں استفادہ کرتے رہا، سالنامہ اللطیف آپ کی خدمت میں برابر پہنچتا رہا اور آپ اپنی غیر معمولی مصروفیات کے باوجود اللطیف ملاحظہ فرماتے تھے اور اپنے مفید تاثرات کا اظہار فرماتے تھے، یہ سال نامہ اس وقت اپنی عمر کی ۵۵ پچپن ویں بہار سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔حضرت مولانا ابوالحسن

صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے ۱۹۶۵ء میں اللطیف جاری کیا۔ آپ نے ۱۹۷۹ء میں اس عاجز کو مدیر بنایا، الحمدللہ یہ ادارتی فرائض ہنوز جاری ہیں ۱۹۹۰ء میں اللطیف کا سلور جوبلی نمبر شائع کیا گیا جس کے لئے راقم الحروف نے پوری تحقیق اور جدید معلومات کی روشنی میں حضرات اقطاب ویلور کے سوانح اور علمی و دینی اور ادبی کارناموں پر سیر حاصل مبسوط مقالہ لکھا اس مقالہ کی نقل مولانا ابوالحسن کی خدمت میں پیش کیا اور آپ سے رائے طلب کی تو آپ نے یہ گراں قدر تحریر ۱۹ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۸۴ء کو ارسال فرمائی جو ذیل میں درج ہے۔

''ہندوستان میں اسلام صوفیہ اور مجاہدین کے ساتھ آیا، اور یہاں دونوں نے اپنے اپنے طرز پر اسلام کی خدمت واشاعت کی، یہ شرف وعزت خاص طور پر ہندوستان کے سرحدی وساحلی علاقوں کو زیادہ حاصل ہوا۔ اور سندھ، گجرات، کیرالا اور مدراس سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے، وہاں عربوں کی آبادیاں قائم ہوئیں، تابعین اور تبع تابعین جہاد میں شامل ہوئے، اور ان میں سے متعدد حضرات اسی سرزمین میں مدفون ہوئے، صوفیہ ومشائخ نے اصلاح وتربیت اور علماء نے درس وتعلیم کے حلقے قائم کئے، اور بادشاہوں نے تخت سلطنت بچھائے، اس طرح یہ علاقے اسلامی تہذیب وثقافت کے اولین مرکز ثابت ہوئے، جہاں دوسرے علاقوں میں اسلام کی اشاعت ہوئی، علم اور دین کو فروغ حاصل ہوا، صوفیہ کے سلسلے پھیلے، اور اسلامی حکومت کو استحکام حاصل ہوا۔

صوفیہ کے اپنی مبارک سلسلوں میں ایک سلسلہ سادات ویلور کا ہے جو اقطاب ویلور کے لقب سے مشہور ہے۔ سادات کا یہ مبارک سلسلہ جنوبی ہند میں تقریباً تین سو سال سے سرگرم خدمت ہے، اور اس میں تسلسل وتواتر کے ساتھ علماء ومشائخ، اصحاب درس وتصنیف اور اہل کمال پیدا ہوتے رہے ہیں، جنہوں نے بڑی جامعیت کے ساتھ اپنی علمی ودینی خدمات جاری رکھیں، اور روحانی اشغال کے ساتھ ساتھ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وارشاد اور اصلاح وتربیت کا کام انجام دیا، ان میں بہت سے صاحب کرامات بزرگ ہوئے جن کے حالات قابل رشک اور لائق تقلید ہیں، بہت سے علماء ہوئے جن سے درس وتدریس کا سلسلہ چلا، اور جنوبی ہند میں دینی تعلیم کو فروغ حاصل ہوا۔

اس خانوادے نے عربی، فارسی اور اردو میں تصنیف وتالیف کا کام بھی سنبھالا جس کے نتیجے میں بڑی مفید اور عمدہ کتابیں وجود میں آئیں، خصوصاً تصوف کے مختلف مسائل ومباحث پر ایک اچھا خاصہ ذخیرہ تیار ہوگیا، حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی علیہ الرحمہ جنوبی ہند کے نہ صرف ممتاز عالم اور صوفی تھے بلکہ اپنے علاقہ

کے اولین اردو شاعر بھی تھے۔

حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقی علیہ الرحمہ نے فارسی میں بہت سے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور بہت سی مفید کتابیں لکھی ہے، اس خانوادہ کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی جامعیت ہے جسکے تحت اس نے شریعت اور طریقت دونوں کا توازن برقرار رکھنے کی بہت اچھی کوشش کی ہے، اور ہر دور میں علم و دین، اور عقل و دل کا خوشگوار امتزاج پیش کیا ہے، معتدل و متوازن صوفی سلسلوں کی طرح اس صوفی خانوادے سے بھی اسلام کی عطا کردہ جامعیت و توازن کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے، اور اپنی زمانہ شناسی کا ثبوت دیا ہے، جس زمانے میں انگریزی تعلیم کے بارے میں علماء میں اختلاف رائے تھا، اس سلسلہ کے علماء نے انگریزی تعلیم حاصل کی، اور اس میں دعوتی کام انجام دیا، حضرت سید شاہ عبداللطیف (قطب ویلور) متوفی ۱۲۸۹ھ نے ملکہ وکٹوریہ کو اپنے مفصل مکتوب میں دعوت اسلام دی۔ اپنی دینی بصیرت اور فہم و فراست کے سبب اس خانوادۂ گرامی نے اس دور میں ندوۃ العلماء کی تحریک کی تائید کی، جب کہ بہت سے علماء اور مشائخ اس سے بعد محسوس کرتے تھے، انہی حضرات کے تعاون سے مدراس میں ندوۃ العلماء کے دو اجلاس ۱۹۰۴ء اور ۱۹۱۷ء میں کامیابی کے ساتھ منعقد ہوئے اور اس علاقے میں ندوۃ العلماء کی آواز مانوس سمجھی گئی۔

خدا کا شکر ہے یہ دودمان عالی شان اپنی دیرینہ علمی و دینی روایات کو برقرار رکھے ہوئے ہے، اور دارالعلوم لطیفیہ کے ذریعے جنوبی ہند کے طالبان علوم نبوت کی تشنگی اور ان کی روحانی پیاس بجھا رہا ہے، اس ادارے کا سالانہ مجلسہ اللطیف مفید علمی و دینی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے، اس میں تذکرۂ اقطاب ویلور کے عنوان سے دارالعلوم لطیفیہ کے لائق استاد جناب مولوی حافظ بشیر الحق قریشی نے ایک طویل معلوماتی مضمون لکھا ہے جسے اب وہ مستقل کتابی شکل دے رہے ہیں انہوں نے اپنی کتاب میں بڑی لیاقت اور جامعیت کے ساتھ بزرگان ویلور کے حالات جمع کردئے ہیں جو جنوبی ہند کی علمی اور دینی تحریکات و شخصیات پر کام کرنے والوں کے لئے ایک نعمت ثابت ہوں گے۔

خدا کرے کہ مصنف موصوف کی یہ محنت شرف قبولیت حاصل کرے اور ہندوستان خصوصا جنوبی ہند کے مسلمان بھائی، ان بزرگوں کی خدمات جلیلہ سے واقف ہوکر اپنے اندر بھی دین اور ملت کی خدمت کا قوی جذبہ و داعیہ محسوس کریں اور اسلاف کا یہ تذکرہ بعد والوں کے لئے موجب عبرت اور سرمایہ بصیرت بن جائے وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

مولانا ابوالحسن نے راقم الحروف کی خواہش وگذارش پر ایک اور معرکۃ الآراء مختصر تحریر مکتوب کی شکل میں میرے نام ارسال فرمائی جس کا تعلق ''غایۃ التحقیق'' سے ہے غایۃ التحقیق حضرت قطب ویلور کا تحریر کردہ ایک فتویٰ ہے جسکے صدور کا پس منظر یہ ہے۔

۱۲۷۴ھ میں حضرت قطب ویلور کی عالمانہ وعارفانہ تصنیف جواہر الحقائق منظر عام پر آئی، اور یہ کتاب نہ صرف عوام الناس کی عقل وفہم سے بالاتر تھی، بلکہ اہل علم میں جو تصوف سے نا آشنا تھے، ان کے لئے ذہنی خلجان کا باعث بن گئی، اور سارے علاقہ مدراس میں صوفیہ اور علماء کے درمیان تائید وتوثیق اور تردید وتشکیک کی فضا پیدا ہوگئی تو پیارم پیٹ کے ایک بزرگ مولانا ٹیپو حسین صاحب نے اپنی جانب سے چند اشکالات اور استفسارات کو حضرت قطب ویلور کی خدمت میں پیش کیا، حضرت قطب ویلور بھی ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ اس سلسلہ میں ایک ایسی تحریر شائع کی جائے جو سارے شکوک وشبہات اور سوالات وجوابات کا ازالہ کر سکے، اسی غرض اور مقصد کے تحت حضرت قطب ویلور نے غایۃ التحقیق کے نام سے ایک فتویٰ لکھا۔

جو ۱۲۸۰ھ میں سید جمال الدین کی نگرانی میں مدراس کے مظہر العجائب پریس سے شائع ہوئی اور اس وقت کے جلیل القدر علماء اور صوفیہ نے فتویٰ کی صحت اور صواب سے متعلق اپنی رائے پیش کی، ان میں سے بعض حضرات کے بیانات اور تصدیقات دستخط اور مہر کے ساتھ غایۃ التحقیق کے اواخر میں شائع ہوئی ہیں، ان تصدیقات میں مولانا شاہ عبدالوہاب قادری علیہ الرحمہ بانیٔ مدرسہ باقیات صالحات ویلور کی تصدیق بھی ہے، اس فتویٰ میں درج کئے ہوئے سوالات اور ان کے جوابات فارسی میں ہیں، حضرت قطب ویلور نے غایۃ التحقیق کو درج ذیل عبارت پر ختم کیا ہے، اس آخری عبارت سے یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ نے ایک فتنہ کو رفع کرنے کی حکیمانہ سعی وکوشش کی ہے۔

چوں ایں مختصر گنجائش اتاویل دیگر ندارد، وبیشتر مردم طاعن، باصاحب صراط مستقیم کمال اعتقاد دارند، واز کن مکن او، بیروں نمی روند، لہٰذا قول اوراخاتم اقوال متاخرین این قرن گردانیدہ آمد، واللہ ھوالھادی الی صراط مستقیم۔

اس مختصر رسالہ میں مزید اقوال اور حوالے نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور زیادہ تر طعن وتشنیع کرنے والے لوگ صاحب صراط مستقیم (مولانا شاہ اسمٰعیل شہید) کے ساتھ کامل اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کی بات کو بے چون وچرا تسلیم کرتے ہیں، اس لئے ان کا قول اس صدی کے علماء کے اقوال کے آخر میں نقل کیا جا رہا ہے۔

اس فتویٰ کا ترجمہ راقم الحروف کے قلم سے صادر ہوا ہے الحمدللہ علی ذلک اور یہ ترجمہ فارسی متن کے ساتھ

2013ء میں شائع ہو چکا ہے۔ مولانا ابوالحسن کا مکتوب گرامی ملاحظہ فرمایئے، جو ۱۰ دسمبر ۱۹۸۷ء کو موصول ہوا۔

محبی ومکرمی جناب حافظ بشیر الحق قریشی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کے عنایت نامے ملے ۲۳ نومبر ۱۹۸۷ء کا خط اس وقت پیش نظر ہے، میرا مکتوب جو آپ نے اس سے پہلے بھیجا تھا۔ وہ میں نے مولوی حمزہ ندوی سلمہ کو دے دیا، جو ان خطوط کی اشاعت کا اہتمام کررہے ہیں، بعد میں خط کی تاریخ والا خط بھی پہونچا، وہ بھی میں نے ان کو بھجوا دیا۔

میں نے کتاب غایۃ التحقیق پر نظر ڈالی، فاضلانہ محققانہ کتاب ہے لیکن خواص اور نظر و تحقیق رکھنے والوں کے استفادہ کی ہے، عام اشاعت سے اندیشہ ہے کہ غلط فہمیاں پیدا ہوں، اور اہل غرض اس سے غلط فائدہ اٹھائیں اس لئے میں اپنا اس پر کچھ لکھنا مناسب نہیں سمجھتا، تاریخ دعوت وعزیمت کے حصہ چہارم میں جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے مخصوص ہے، میں نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے اختلاف کا تاریخی اور علمی جائزہ لیا ہے، اور وحدۃ الشہود کو احترام شریعت، جذبۂ عمل واتباع اور دعوت واصلاح کے نقطۂ نظر سے ترجیح دی ہے۔ ویسے میں رسالہ کو حضرت مصنف کے نام انتساب سے ایک تبرک سمجھتا ہوں، اور اس سے ان کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

آپ کے علمی اور ادبی ذوق سے مسرت ہوئی، کبھی مدراس کی طرف آنا ہوا تو انشاء اللہ آپ سے ملاقات ہوئی مخلص ابوالحسن علی۔

مولانا ابوالحسن کی صحبت ورفاقت میں اس عاجز کے جو لمحات اور ساعات گذرے ہیں وہ نہایت پر کیف اور خوشگوار رہے ہیں جن کی یادیں آج بھی تازہ ہیں اور ان ملاقاتوں کی مسرت اور لطافت سے قلب وذہن متاثر اور سرشار ہے، مولانا ابوالحسن نے اپنی عمر کی مدت تو مکمل کرلی لیکن آپ کی معنوی عمر دراز ہوئی جارہی ہے، اور یہ درازی عمر ہے خواص وعوام کی زبانوں پر آپ کے ذکر خیر کا جاری وساری رہنا کسی نے سچ کہا۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

☆☆☆☆☆

قرآن میں اولیاء کا تذکرہ

مولوی سید نیاز احمد جمالی آمری
(پرنسپال دارالعلوم جمالیہ، پرمبور، چنئی)

الحمد للہ الذی رفع درجات الاولیاء و الصلوۃ و السلام علی حبیبیہ و صفیہ خاتم الانبیاء و علیٰ آلہ و صحبہ الذین ادرکو الترب العلیا۔اما بعد

اولیاء کرام وہ عظیم ہستیاں ہیں جنہوں نے اپنی حیات کا ہر لمحہ حصول رضائے خداوندی کیلئے وقف کر دیا۔ان لوگوں کا جینا، مرنا، دیکھنا، سننا اور کوئی بھی عمل محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے۔اولیاء کرام ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول و منہمک رہتے ہیں۔سورۃ یونس میں ارشادِ ربانی ہے کہ " الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم و لاھم یحزنون" خبردار بے شک اللہ کے اولیاء پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوتے ہیں۔الذین آمنوا وکانو یتقون یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقوی شعار زندگی گزارتے رہے۔

مذکورہ بالا آیتوں میں پروردگار عالم نے اپنے اولیاء کے اوصاف و خصائل کا ذکر فرمایا ہے۔منکرین اولیاء کو اس آیت کریمہ سے سبق حاصل کرنا چاہئے اور انکار اولیاء سے باز آنا چاہئے

مفسر قرآن حضرت علامہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر قرآن ''الجامع لاحکام القرآن'' معروف بہ تفسیر قرطبی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''لاخوف علیھم'' ای فی الاخرۃ۔یعنی اولیاء کرام کو محشر کے دن خوف نہیں ہوگا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ انکا انجام بہترین ہوگا اور ان لوگوں نے اپنی قربانیوں اور اکلاص کے ذریعہ اپنے پروردگار کو راضی کر لیا۔اللہ تعالیٰ جب ان سے خوش ہے تو پھر انہیں ڈرنے اور گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟

نیز فرماتے ہیں کہ ''ولاھم یحزنون'' لفقد الدنیا۔یعنی اولیاء کرام دنیا کے نہ ملنے پر رنجیدہ نہیں ہوتے۔یہی تو اولیاء اللہ کی پہچان ہے۔اہل دنیا تو دنیا کے قدموں پہ گرتے ہیں اور یہ دنیا اولیاء کے قدموں پہ گرتی ہے اور وہ اُسکی پرواہ نہیں کرتے۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیا کا طلبگار اللہ کا ولی ہو نہیں سکتا۔ایک دل میں حبّ دنیا اور حبّ مولیٰ جمع نہیں ہو سکتے۔ہمارے پیارے آقا مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حبّ الدنیا راُس کل خطیئۃ۔دنیا کی محبت ساری غلطیوں کی جڑ ہے۔

اسی تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا

گیا کہ من اولیاء اللہ؟ یعنی یارسول اللہ! اللہ کے اولیاء کون ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا کہ " الذین یعذکر الله برویتهم" یعنی اولیاء اللہ نیک لوگ ہیں جنہیں دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی یاد پیدا ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اولیائے کرام کے چہروں پر محبت الٰہی کا ایسا گہرا اثر رہتا ہے کہ جو بھیا نہیں دیکھتا ہے اسکے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد پیدا ہو جاتی ہے اور وہ غیر شعوری طور پر اللہ رب العزت کے ذکر میں لگ جاتا ہے۔ اسی لئے صحبت اولیاء میں بڑی تاثیر ہے۔ اولیاء کی صحبت کی وجہ سے کتنے لوگ راہِ راست پر آگئے اور کتنے ہی لوگوں نے بڑی آسانی سے منازلِ سلوک کو طئے کر دیا۔ عارفِ رومی جلال الدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

یعنی اولیائے کرام کی صحبت میں ایک مدت گزارنا سو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی سو برس نوافل میں گزار دے اور رب کو نہ پہچانے تو اُس کی عبادت بے کیف رہے گی۔ وہ عبادت کی حقیقی لذت سے نا آشنا ہی رہے گا۔ ہاں اگر کسی ولی کی اسے صحبت مل گئی اور صحبتِ ولی کی بدولت اسے حق کا عرفان حاصل ہو جائے تو پھر ایک سجدے میں وہ ایسی کیفیت اور روحانی لذت حاصل کرے گا جو اسے سو برس کی بے کیف عبادت سے حاصل نہیں ہوگی۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سَمِعْتُ رسولَ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ علیہِ وَ سلم یَقُوْلُ یعنی میں نے اللہ کے رسول محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اِنَّ مِنْ عِبادِ اللّٰہِ عبادا ما ھُم با نبیاء ولا شھداء تغبطھم الانبیاء و الشھداء یوم لاقیامۃ لمکا نھم من اللّٰہِ تعالیٰ یعنی بے شک اللہ کے بندوں میں بعض بندے ایسے ہیں جو کہ نہ انبیاء ہیں اور نہ شہداء مگر اللہ کی بارگاہ میں ان کی بے پناہ مقبولیت کو دیکھکر انبیاء و شہداء اُن پر رشک کریں گے۔ قبل یا رسول الله خبرنا من ھم و ما اعمالھم فلعنا بحبھم ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! ہمیں اطلاع دیجئے کہ وہ نفوسِ قدسیہ کون ہیں اور انکے اعمال کیا ہیں تاکہ ہم اُن سے محبت والفت رکھیں۔ قال ھم قوم تحابوا فی الله علی غیر ارحام بینھم ولااموال یتعاطون بھا فوالله ان وجوھم لنوروانھم علی منابر من نور لا یخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن الناس۔ثم قرأ۔الا ان اولیاء الله لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایسی قوم ہے جو محض رضائے خداوندی کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں گو کہ انکے درمیان رشتہ داری نہ ہو یا مال و زر کا لین دین نہ ہو۔ اللہ کی قسم! بے شک ان کے چہرے نورانی ہونگے اور وہ نورانی منبروں پر جلوہ افروز ہونگے۔ وہ نہیں ڈریں گے جبکہ دیگر لوگ ڈر رہے ہونگے اور وہ رنجیدہ نہیں ہونگے جبکہ دیگر

لوگ رنج وغم میں ہونگے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت کریمہ تلاوت کی الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم و لا هم یحزنون۔

امام قرطبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول پیش کیا ہے کہ وقال علی بن ابی طالب رضی الله عنه اولیاء الله قوم صفر الوجوه من السهر عمش العیون من العبر خمص البطون من الجوع یبس الشفاه من الذوی ۔یعنی اللہ کے اولیاء ایک ایسی قوم ہے جنکے چہرے شب بیداری کی وجہ سے زرد ہیں انکی آنکھیں عبرت ونصیحت کی وجہ سے تر اور اشکبار رہتی ہیں۔ انکے شکم بھوک کی وجہ سے چپکے ہوتے ہیں اور ہونٹ کملاہٹ کی وجہ سے خشک رہتے ہیں۔

تفسیر روح البیان میں حضرت شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔ان اولیا الله ای احباء الله واعداء نفوسهم ۔یعنی اللہ کے اولیاء وہ ہیں جو اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اپنے نفس سے دشمنی رکھتے ہیں۔ نیز لفظ ولایت کی تشریح کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ فان الولایة معرفة الله و معرفة نفوسهم۔انتهی ۔یعنی ولایت کا مطلب ہے اللہ کو پہچاننا اور خود کو پہچاننا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جس نے خود کو پہچانا اسے رب کی پہچان اور معرفت حاصل ہوگی

کر پہچانت پہلے اپنے جان کی تا پہچانت ہو تجھے سبحان کی

اور من عرفه نفسه فقد عرفه ربه کا بھی یہی مفاد ہے۔ یعنی جس نے خود کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ معرفت رب اور معرفت نفس کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فمعوفة الله رئویته بنظر المحبة و معرفة النفس رئویتهابنظر العدواة یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت یہ ہے کہ بندہ اسے محبت بھری نظر سے دیکھے اور نفس کی معرفت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو دشمنی کی نظر سے دیکھے۔ مطلب یہ ہے کہ جملہ امور میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کی موافقت کرے اور اپنے نفس کی خواہشان اور اسکے مرغوبات کی مخالفت کرے۔

نیز فرماتے ہیں کہ فاذاعرفتها حق المعرفة و علمت انها عدوة لله ولك و عالجتها با لمعانده والمکابدة امنت مکرها و کیدها و ما نظرت الیها بنظر الشفقة والرحمة پس جب تم نفس کو اچھی طرح پہچان لوگے اور جان لوگے کہ وہ اللہ کا دشمن ہے اور تمہارا بھی دشمن ہے۔ پھر جب تم اسے پوری طاقت اور لگن کے ساتھ رست کردوگے تو اسکے مکر وفریب سے بچوگے۔ پھر تم نفس کو مہربانی اور شفقت کی نظر سے نہیں دیکھوگے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب تک کوئی مسلمان نفس کی بدرجۂ اتم مخالفت نہیں کرتا وہ ہرگز مرتبۂ ولایت پر فائز نہیں ہو سکتا۔ نفس کی مخالفت بہت بڑی ریاضت ہے اور اسی کو جہادِ اکبر کہتے ہیں۔

نہنگ واژدہا وشیرِ ببر مارا تو کیا مارا　　　بڑے موذی کو مارا نفسِ امّارا کو گر مارا

مفسر جلیل حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الولی لغة القریب والمراد بالاولیاء خلص المومنین لقربهم الروحانی منه سبحانه. یعنی ولی کے لغوی معنی قریب اور نزدیک ہے۔ اولیاء کرام سے مراد وہ خالص اہل ایمان ہیں جنھیں پروردگارِ عالم سے روحانی تقرب اور نزدیکی حاصل ہے۔

ناظرین کرام جسمانی تقریب کا تو لوگ ادراک کر سکتے ہیں مگر روحانی تقرب اور اسکی کیفیتوں کا ادراک اولیاء کرام ہی کر سکتے ہیں جنھیں یہ نعمت عظمیٰ حاصل ہے۔

نیز صاحب روح البیان رقمطراز ہیں کہ یتقربون الیه بطاعته والاستغراق فی معو فته بحیث اذا رأ وادلائل قدرته وان سمعواٗ ایاته وان نطقوا نطقوا بالثناء علیه و ان تحرکوا تحرکوا فی خدمته وان اجتهدوا اجتهدوا فی طاعته یعنی اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی اطاعتِ کاملہ کے سبب اس سے تقرب حاصل کر لیتے ہیں اور اسکی معرفت میں مستغرق ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ دیکھتے ہیں تو مولیٰ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل ہی دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں تو اسی کی آیتوں کو سنتے ہیں اور جب بولتے ہیں تو اسی کی مدح وثناء میں رطب اللسان رہتے ہیں اور جب حرکت کرتے ہیں تو اسی کی خدمت میں حرکت کرتے ہیں اور جب کوشش کرتے ہیں تو اسی کی اطاعت و فرمانبرداروں میں کوشش کرتے ہیں۔ (انتھی کلامہ)

مذکورہ بالا کلام سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اولیاء کرام ہمیشہ یادِ الٰہی میں منہمک رہتے ہیں۔ انکی نگاہوں میں ہمہ وقت قدرتِ باری تعالیٰ کے دلائل وشواہد رہتے ہیں۔ وہ اللہ کی باتوں اور اسکی کتاب کی آیتوں کے سوا دوسری باتیں سننا پسند نہیں کرتے ہیں۔ انہیں تو بس اُسی گفتگو کے سننے میں لذت ملتی ہے جسکا مضمون ذاتِ رب یا صفاتِ رب ہو۔ اللہ کے اولیاء جب زبان کھولتے ہیں تو انکی مبارک زبانوں سے حمد باری تعالیٰ اور نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی موتیاں جھڑتی ہیں۔ انکی زندگی کے سارے اعمال رضائے الٰہی کے حصول کیلئے ہوتے ہیں اور اُنکی ہر ادا مرضی مولیٰ کے موافق ہوتی ہے۔ انکی ساری محنتیں اور کاوشیں نہ حصولِ دنیا کیلئے اور نہ زرطلبی کیلئے بلکہ محض اللہ رب العزت کی فرمانبرداری اور اُس کی خوشنودی کیلئے ہوتی ہیں۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ عن ابن عباس قال قال رجل یا رسول اللہ من اولیاء اللہ ؟ قال الذین اذا رأوا ذکر اللہ یعنی حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ مصطفیٰ میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! اولیاء اللہ کون ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جب انہیں دیکھا جائے تو

اللہ تعالیٰ کی یاد آجائے۔

مفسر ذیشان حضرت علامہ احمد بن محمد خلوتی ماوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ جمع ولی من الولاء وھو العز والنصر سموا بذلك لانھم ھم المنصورون باللہ المعزوزون بہ لا یطمعون فی شئ سوی القرب منہ یعنی لفظ اولیاء ولی کی جمع ہے جو کہ ولاء سے مشتق ہے اور اسکا معنی ہے عزت اور مدد۔ چونکہ اللہ کی جانب سے اولیاء کی مدد کی گئی اور انکو عزت نصیب ہوئی لہذا انہیں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے۔ انتہی

بعض لوگ اس مغالطہ میں مبتلا ہیں کہ اولیاء کرام علم شریعت سے دور ہیں یا اہل شریعت مرتبۂ ولایت پر فائز نہیں ہو سکتے لہذا وہ علماء کو اولیاء میں شامل نہیں کرتے۔ اس گمراہی اور بداعتقادی کو دور کرتے ہوئے صاحب تفسیر سراج منیر علامہ خطیب شربینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اذا لم تکن العلماء اولیاء اللہ فلیس للہ ولی و ذلك فی العالم العامل بعلمہ یعنی اگر علمائے کرام اولیاء نہیں ہو سکتے تو پھر کسی ولی کا وجود ہی متصور نہیں کیونکہ عالم باعمل ہی ولی کامل ہے۔ انتہی

کراماتِ اولیاء :

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اولیائے کرام کی کرامات برحق ہیں اور یہ عقیدہ قرآن وحدیث سے مستنبط ہے قصیدۂ بدوالامالی میں ہے کہ کرامات الولی بدار دنیا لھا کون فھم اھل النوال یعنی اولیائے کرام کی کرامتیں اس دنیا کے اندر برحق ہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کرامتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ حضرت علامہ صاوی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں وقیل البشری فی الحیاۃ الدنیا ظھور الکرامات و قضاء الحوائج بسھو لۃ یعنی اولیاء کرام کو جو دنیا میں خوشخبری ہے اس سے اس دنیا میں انکی کرامتوں کا ظاہر ہونا اور انکی دعاؤں سے بہت جلد ضرورتیں پوری ہوجانا اور مرادیں حاصل ہوجانا ہے۔

پروردگارِ عالم نے اپنے اولیاء کے لئے دنیا میں خوشخبری رکھی ہے اور آخرت میں بھی چنانچہ فرمایا کہ لھم البشریٰ فی الحیاۃ الدنیا و فی الاخرۃ یعنی اولیائے کرام کے لئے دنیا میں بھی بشارت ہے اور آکرت میں بھی۔ دنیا کی بشارت سے مراد کرامات اور آکرت کی بشارت سے مراد بلند درجات ہیں۔

حضرت علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ المراد بالبشری فی الحیاہ الدنیا نزول الملائکۃ بالبشارۃ من عند اللہ عند الموت یعنی دنیاوی خوشخبری سے مرادان بزرگوں کی وفات کے وقت فرشتوں کا خوشخبری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اترنا جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تتنزل علیھم الملائکۃ ان

لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون یعنی ان پر فرشتے اترتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ مت ڈرو اور مت غمزدہ بنو بلکہ خوش ہو جاؤ اس جنت سے جسکا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ البشری فی الحیاہ الدنیا الثناء الحسن و محبة الخلق لھم یعنی دنیا میں بشارت سے مراد ان نیک نفوس ہستیوں کی تعریف اور خلقِ خداوندی کا ان پر گرویدہ ہونا۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیل الرسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم او أیت الرجل یعمل العمل من الخیر و یحمده الناس علیہ قال عاجل بشری المومن یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ حضور بتایئے کہ جب آدمی نیکی کرتا ہے اور لوگ اسکی تعریف کرتے ہیں تو کیسا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مومن کو دنیا میں ملنے والی خوشی ہے۔

ایک حدیث یوں بھی ہے کہ اذا احب اللہ عبدا نادی جبریل فیقول له انی احب فلانا فاحبه فیحبه جبریل ثم ینادی فی السماء ان اللہ یحب فلا نافا حبوه فیحبیه اھل السماء ثم یوضع له القبول فی الارض یعنی جب اللہ تبارک وتعالیٰ کسی بندہ کو پسند کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو پکارتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے جبرئیل میں اس بندہ سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی اس سے محبت کر۔ پس جبرئیل علیہ السلام اُس بندہ سے محبت کرتے ہیں اور آسمان میں ندا کرتے ہیں کہ اے آسمان والو بے شک اللہ فلاں آدمی سے محبت کرتا ہے۔ تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس آسمان کی ساری مخلوق اس ولی سے محبت کرتی ہے پھر زمین کے اندر اسے مقبولیت دیدی جاتی ہے۔

حضرت ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ضوء المعالی میں کرامت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ھی امر خارق للعادۃ مقرون بالمعرفة و الطاعة خال عن دعوی النبوۃ یعنی کرامت کا مطلب ہے کسی ولی سے ایسے امر کا ظہور جو خلافِ عادت ہو یعنی عجیب وغریب ہو بشرط یہ کہ وہ صاحبِ کرامت صاحبِ عرفان الٰہی اور رب کا فرمانبردار ہو اور نبوت کا مدعی نہ ہو۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا مدعی کذّاب اور دجّال ہے ایسا شخص مسلمان ہی نہیں رہتا چہ جائیکہ ولی کہلائے

اولیائے کرام کی کرامتیں اُنکی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اس عالم فانی سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی انکی کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ علامہ سمہودی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ان ظهور الکرامة منهم بعد موتهم اولی من ظهورها فی حال حیاتهم لان النفس نقیة من الکدار و قد شوهد ذلك من کثیر منهم بعدموتهم (تحفۃ الاعالی) یعنی اولیاء کرام کی کرامتیں ان کے پسِ مرگ بطریق اولی ثابت ہیں اسلئے کہ اس دنیائے فانی سے منتقل ہو جانے

کے بعد انکے نفوس اور زیادہ مزکی ہوجاتے ہیں بلکہ دنیا کی تمام آلائشوں سے پاک رہتے ہیں۔ بہت سے اولیائے کرام سے کرامتیں انکے وصال کے بعد ظاہر ہوئیں۔

حضرت ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری ضوء المعالی میں ولی کی تعریف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

الولی هو العارف بالله حسب ما یمکن من معرفة الذات و الصفات المواظب علی الطاعات المجتنب عن السیٔات المعرض عن الانهماك فی الذات و لشهوات المدبرعن الدنیا المقبل علی العقبی المدوم علی ذکر المولی یعنی ولی وہ ہے جو عارف باللہ ہو۔ بقدرِ امکان مولیٰ تعالیٰ کی ذات وصفات کا عرفان رکھتا ہو۔ اطاعتِ خداوند پیر کار بند ہو، برائیوں سے پرہیز کرنے والا ہو، ناجائز لذتوں اور بے جا شہوتوں سے دوری اختیار کرنے والا ہو، دنیا سے منہ دھیر کر آخرت کی طرف متوجہ رہنے والا ہو اور ہمیشہ یادِ مولیٰ میں مستغرق رہنے والا ہو۔

ناظرین! اللہ والوں کی صحبت ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ یا ایها الذین امنو اتقو الله و کونوا مع الصادقین یعنی اے مومنو! اللہ سے ڈرتے رہو اور صادقین کی صحبت اختیار کرو۔ یہ صادقین یقیناً اولیائے کرام ہیں جنکے دل اللہ کی محبت میں سجے ہیں۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند　　　صحبتِ طالح ترا طالح کند

یعنی نیک انسان کی صحبت تجھکو نیک بنادیتی ہے اور برے آدمی کی صحبت تجھکو بھی برا کردیتی ہے۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے کہ

احب الصالحین ولست منهم　　　لعل الله یوزقنی صلاحا

یعنی میں نیک نہیں مگر نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں مجھے امید ہے کہ انکی محبت کی وجہ سے پروردگارِ عالم مجھے بھی نیک بنادیگا۔

مولائے کریم سے دعا ہے کہ وہ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ہم سب کو اولیائے کرام کی صحبت اور محبت نصیب کرے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

☆☆☆☆☆

کیا عمامہ ضروری ہے؟

ازمولوی ابوطاہر سید شاہ محمد ابراہیم قادری باقوی
مدرس دارالعلوم احسانیہ، چامراج نگر۔

زیرنظر مضمون کا عنوان ''کیا عمامہ ضروری ہے؟'' ان پیشہ ور ائمہ مساجد کا مقولہ ہے جو امامت جیسے معزز نصب کو پیشے کے طور پر اختیار کیئے ہوئے ہیں جو ٹوپی کے ساتھ تو درکنار ننگے سر بھی امامت کو عار نہیں سمجھتے، گذشتہ تیس پینتیس سالوں کے عرصہ میں خود راقم کو بھی ایسے بیسوں ائمہ سے پالا پڑا ہے جن سے اہل محلّہ یا اہل شہر یہ درخواست کرتے ہیں کہ مولانا حافظ صاحب حضرت کم ازکم امامت کے موقعہ پر عمامہ باندھا کریں یہ یہاں کی عادت ہے تو بے باگ یہ جواب دیتے ہیں کہ کیا عمامہ ضروری ہے؟ یہ لوگ الٹے جواب میں اتنا حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور یہ کہدیتے ہیں کہ کیا امام کے لئے داڑھی ضروری ہے، وغیرہ وغیرہ۔

راقم اس قسم کے الفاظ کے استعمال کو کفر نہ سہی بے ادبی تو ضرور تصور کرتا ہے، مذکور بالا حضرات داڑھی عمامہ اور دیگر آداب اسلامی کا مذاق اڑاتے ہوئے تمسخر کرتے ہوئے ذرہ برابر بھی شرم محسوس نہیں کرتے، اللھم احفظنا منہ۔ غالباً 1976ء کا زمانہ تھا، مادر علمی ام المدارس جامعہ الباقیات الصالحات کے اردو دان طلبہ کی انجمن، انجمن ترقی اردو کے ترجمان سالنامہ صفیر میں رئیس العلماء امیر شریعت کرناٹک حضرت علامہ مولانا الحاج محمد اشرف علی صاحب قبلہ باقوی دامت برکاتہم کا ایک گراں قدر مضمون بہ عنوان امامت عمامے کے بغیر شائع ہوا تھا، یہ مضمون بھی ایک عالم صاحب کے عمامے کا مذاق اڑانے اور ایک مقامی رسالے میں عمامے کے خلاف یہ مضمون شائع کروانے کے جواب میں تھا۔

اس طرح آج ایک ایسا دور آچکا ہے کہ دین یا دین کے آداب واحکام کا تمسخر کرنا مذاق اڑانا کوئی عیب کا معاملہ نہیں رہا۔

اب سے پچیس برس پہلے خطبات باقیہ کے موخرے میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ ائمہ کرام وخطیب حضرات پر یہ بھی ضروری ہے کہ عمدہ سے عمدہ لباس پہنیں خاصکر دستار کا اہتمام کریں یہ جہاں مسنون ہے وہاں فطری رعب ودبدبہ اور تزئین کا باعث بھی ہے جس کا موجود ہونا دور حاضر میں بیحد ضروری ہے۔

بس حالات حاضرہ کے تقاضے کے تحت عمامے سے متعلق ضروری معلومات کو جمع کر کے عوام وخواص کی خدمت میں پیش کرنا ضرور تصور کرتے ہوئے اس مضمون کو کیا عمامہ ضروری ہے؟ کے عنوان کے ساتھ قارئین اللطیف کی خدمات عالی میں پیش کیا گیا ہے۔

گر قبول افتدز ہے عزوشرف

نیز قارئین کرام سے مودبانہ گذارش کی جاتی ہے کہ راقم کے حق میں دعائے خیر فرمائیں کہ یہ علمی خدمت راقم کی مغفرت کا باعث بنے آمین۔

عمامہ کا حکم

شریعت مطہرہ کی روشنی میں عمامہ لباس مسنونہ میں شامل ہے اس کے مسنون ہونے کو تسلیم کر لینے میں کوئی رکاوٹ تو ہرگز نہیں ہے، یہ جہاں سنت دائمہ متواترہ ہے وہاں فطری رعب ودبدبہ اور زینت کا باعث بھی ہے۔عمامہ صرف نبی آخرزماں حضرت محمد ﷺ ہی کی سنت نہیں بلکہ پیش روا انبیاء علیہم السلام کی بھی سنت ہے۔

تاریخ کے ہر دور میں نہ صرف اسلام کے چاہنے والوں نے اسکا اہتمام کیا ہے بلکہ اسلام کے خلاف نظریہ رکھنے والوں رشیوں منیوں نے بھی اسکا اہتمام کیا ہے۔

نبی آخرزماں حضور سید عالم حضرت محمد ﷺ نے اپنی حیات ظاہری میں سفر میں حضر میں گھر اور مسجد میں یہاں تک کہ میدان جہاد میں بھی سوا آرام فرمانے اور احرام کی حالت کے تمام اوقات وحالات میں عمامے کا اہتمام والتزام فرمایا ہے۔اسی لئے شریعت مطہرہ میں امام کے لباس اور عالم کے کفن میں بھی عمامے کو شامل فرمایا گیا ہے۔

ان سطور میں چند احادیث کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے جن سے عمامے کی فضیلت واہمیت نیز عمامے کی رنگت ومقدار وغیرہ باتیں جانی اور سمجھی جاسکتی ہیں۔

حدیث :(۱)

مسلم شریف روایت ہے، حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب لوگوں سے خطاب فرمایا تو آپ کے سر مبارک پر کالا عمامہ تھا (مسلم شریف) اس طرح مسلم ہی کی ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ جیسے....

حدیث :(۲)

ترمذی ابن ماجہ وغیرہ نے بھی روایت فرمائی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر کالا عمامہ تھا۔(مسلم ترمذی ابن ماجہ)

نیز بخاری کے حوالے ایک اور روایت نقل کی گئی ہے۔

حدیث :(۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں جب لوگوں سے خطاب فرمایا تو آپ کے سر مبارک پر کالا عمامہ تھا۔(بخاری شمائل ترمذی)

ان روایات کے علاوہ متعدد روایات یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ عمامہ لباس و معمولات نبوی صلعم میں شامل تھا بلا خوف تردید یہ دعویٰ حق بجانب ہوگا کہ ذخیرہ احادیث میں ایسی کوئی کتاب نہیں ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامے مبارک کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو۔

عمامے کا رنگ

مذکور بالا احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ کے عمامہ مبارک کا رنگ کالا ہوا کرتا تھا، نیز دیگر چند روایات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چار رنگوں کے عمامے تھے جن کا آپ استعمال فرمایا فرماتے

(۱) گیرو(مٹیالے) کے رنگ کا

(۲) سفید رنگ کا

(۳) سبز(ہرے) رنگ کا

(۴) کالا

روایات کے مطابق یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ عموماً سفید رنگ کا عمامہ استعمال فرماتے وعظ وتذکیر اور جہاد کے موقعہ پر کالے رنگ کا اور کبھی کبھار مٹیالے رنگ کا اکثر جمعہ عیدین اور خاص تقریبات میں شرکت کے موقعہ پر سبز(ہرے) رنگ کا عمامہ زیب تن ہوا کرتا، جیسا کہ معراج کے موقعہ آپ کے سر مبارک پر ہرا عمامہ تھا

حدیث معراج سے ثابت ہے۔

عمامے کا سائز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ مبارک کس سائیز کا ہوتا تھا اس سے متعلق متعدد روایات کتب حدیث میں نقل کی گئی ہیں۔

سائیز سے متعلق کم سے کم مقدار 3 زراع اور زیادہ سے زیادہ مقدار 12 زراع کا ہونا لہٰذا کم سے کم مقدار کا لحاظ کرتے ہوئے شریعت مطہرہ میں عمامے کا کم 3 زراع کا ہونا مقرر و متعین کیا گیا ہے ویسے شرعی طور پر عمامے کا کوئی سائیز متعین نہیں لغتاً العمامۃ الفۃ واحدۃ فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عمامہ کس طرح باندھیں

یہ بات بھی احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہم پر عیاں ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر عمامہ باندھتے تھے لہٰذا عمامہ بیٹھ کر باندھان مسنون ہے۔

عمامے کو ٹوپی پر باندھنا

یہ بات بھی بہت ساری روایات سے ثابت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ٹوپی پر عمامہ باندھ فرماتے ٹوپی مدورہ (گول) ہوا کرتی۔

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی اس سلسلہ میں بہت مشہور ہے کہ حضرت رکانہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپی پر عمامہ باندھنا ہے۔ (ترمذی شریف)

عمامہ اور نماز

عمامے کے ساتھ نماز پڑھنا اور پڑھانا تمام کے حق میں (امام، مقتدی منفرد) عین سنت تو ضرور ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تمام حالات میں عمامے کا اہتمام فرمایا ہے، صحابہ تابعین تبع تابعین فقہا ائمہ مجتہدین، مفسرین ومحدثین رحمھم اللہ اور تمام اہل علم کا محصول رہا ہے کہ سب نے عمامے کا اہتمام کیا ہے، خود

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام قیامت تک کے لئے ملت اسلامیہ کو یہ پیغام دیا ہے کہ صلوا کما رایتمونی اصلی ،ویسے نماز پڑھو جیسے مجھ کو نماز پڑھتے دیکھتے ہو، جب سرکار نے ہر موقعہ پر عمامے کا اہتمام فرمایا ہے تو ضرور نماز بھی عمامے کے ساتھ ہی ادا فرمائی ہے عقلاً وشرعاً یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ کہ عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا اور پڑھانا طریقہ نبوی کے عین مطابق ہوا، ان حقائق کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمامے کے ساتھ پڑھنا اور پڑھانا (ہر دو عمل) ثواب کثیر سے تو خالی نہیں ہے۔

جیسا کہ دیلمی کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عمامے کے ساتھ ۲ رکعتیں بغیر عمامے کی ۷۰ رکعتوں سے افضل ہوں ایک اور روایت میں ہے کہ عمامے کے ساتھ جمعہ (جمعہ کی نماز) بغیر عمامے کے ۷۰ جمعے سے افضل ہے (دیلمی) مگر آج ملت کے ایک بڑے طبقے کو مسواک کے بارے میں وارد شدہ حدیث (وہ نماز جو مسواک ساتھ پڑھی گئی ۷۰ درجہ افضل ہے اس نماز سے جو بغیر مسواک کے پڑھی گئی ہو) تو یاد رہیگی مگر جب معاملہ عمامے کا آتا ہے تو ضعف، قوت، تشہیر، تواتر کے بہانے بنا کر اس فضیلت والی ادا سے روگردانی کرلی جاتی ہے افسوس صد افسوس جب کہ قدیم وجدید علمائے کرام کے فتاویٰ کی روشنی میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ہمارے ان علاقوں میں خاصکر (جنوبی ہند میں) بغیر عمامے کے امامت کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

مدراس عربیہ اسلامیہ میں قدیم زمانے ہی سے رواج رہا ہے کہ ان مدارس میں ہر سال تعلیمی سال کے اختتام پر جشنہائے دستار بندی کا انعقاد ہوتا ہے اس پر لاکھا روپئے خرچ کئے جاتے ہیں درس نظامی سے فارغ طلبہ (علماء) کے سروں پر دستار فضیلت باندھی جاتی ہے اس طرح فارغین حفاظ اور مفتیوں کے سروں پر دستار فضیلت باندھی جاتی ہے۔

مگر اکثر فارغین کے سروں سے دستار غائب ہوجاتی ہے۔ یکے دُکّے ہی وہ بھی کسی خاص تقریب میں شرکت کے موقعہ پر ہی دستار کا اہتمام کرتے ہیں۔

عوام تو عوام ہی ہیں مگر آج افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑھ رہا ہے کہ علماء کے سروں سے بھی دستار ویسے غائب ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگھ کی سے مرور زمانہ کے ساتھ آئی ہوئی تبدیلی کا یوں تذکرہ کیا کہ ایک وہ دور بھی تھا جب عوام وخواص بزرگ وجوان عالم وغیر عالم سبھی پگڑی باندھا کرتے تھے پھر آہستہ سے ملت کے عمل میں تبدیلی آتی گئی پگڑی گئی ترکی ٹوپی نے پگڑی کی جگہ لی اب فرکیاپ بھی گئی چین کی تیار کردہ جال کی گول

ٹوپی فر کی جگہ آئی جال کی ٹوپی کیا آئی ٹوپی سر سے اتری جیب تک پہنچ گئی اس پر پلاسٹک والوں نے تو حد ہی کردی پھول دان اور سبزے دان (ٹوکریوں) کی شکل کی ٹوپی تیار کردی، پلاسٹک کی ٹوپی کیا آئی مسلمانوں کے جیب بھی ٹوپی سے خالی ہوئے مسجد کے دانوں تک ٹوپیاں گئیں اب مسلمان مسجد میں گئے نماز کے لئے ٹوپی کا اہتمام کیا پھر جہاں چاہا پھینک دیا چلتے بنے۔

پھر نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد خاصکر وہ جوان عرب ملک سے لوٹے ہوئے ہیں ننگے سر نماز پڑھنے ہی کو ترجیح دیتے ہیں ان کے نزدیک ننگے سر نماز پڑھنا دور جدید کا فیشن ہے یہی مبارک دیتا ہوں گنتی کے ان چند علماء اور مشائخین عظام کو ترک السنۃ کے اس تاریک دور میں بھی سنیت کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں، جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں شاید بزرگوں نے اسی دور کے متعلق فرمایا تھا کہ عنقریب ایک ایسا دور آنے والا ہے کہ جس میں ایک سنت پر عمل کرنا سو شہیدوں کے اجر وثواب سے بڑھ کر ثواب کا حاصل ہوگا۔

بلاشبہ یہ وہی دور ہے جوں جوں ملت زمانۂ نبوت سے دور ہو رہی ویسے ویسے سنتوں سے دوری اختیار کرنے اور کٹے رہنے کا جذبہ بڑھتے جارہا ہے۔

آیئے یہ عزم کریں کہ عمامہ باندھنا یا کم از کم ٹوپی سے سر ڈھانکنا عمل مسنون ہے، ترک السنۃ کے اس تاریک دور میں متروک شدہ اس سنت کو دوبارہ زندہ کرینگے ،قربت نبوی کے حصول کا جذبہ پیدا کرینگے، عمامہ جو فطری تزئین ورعب ودبدبہ کا باعث ہے اسکا استعمال کرکے زمانے کو سنت کی روشنی سے روشن وپُر نور کرینگے۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کردے

وما توفیقی الا باللہ۔

****

نوٹ: اس مضمون سے کہیں یہ نہ سمجھ جائیں کہ عمامہ صرف نماز کے موقعہ کی سنت ہے، بلکہ عمامہ سنت متواترہ دائمہ تمام حالات میں مردوں کے مسنون ہے۔ معلوم باد۔

شیخ الاسلام بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

حیات وخدمات

از: حافظ محمد ابراہیم لطیفی و جمالی
مہتمم فیضان لطیفیہ گنتکل۔

قریش کے قبیلہ عدی سے تعلق رکھنے والی ایک طویل القامت، انصاف پسند و بے باک، بہادر وشجاع شخصیت جنہیں دنیائے اسلام خلیفہ دوم حضرت سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے نام سے جانتی و پہچانتی ہے اسی نسل فاروقی کی ایک شاخ گردش لیل ونہار سے گزرتی ہوی کابل وغزنی پہنچ گئی جہاں ایک بزرگ درویش صفت شخصیت فرخ شاہ کابلی نامی اسی نسل کی نہ صرف امین ومحافظ تھی بلکہ آپ کی چوتھی پشت میں حضرت شیخ شعیب علیہ الرحمہ جیسی مقدس ومتدین ہستی پیدا ہوی جن کی ذات بابرکت تقویٰ وطہارت کا اعلیٰ نمونہ تھی، آپ کے اخلاق کریمہ واوصاف حمیدہ کے پیش نظر سلطان محمود غزنی نے اپنی چہیتی ہمشیرہ صاحبہ کا نکاح آپ سے کر دیا۔

کابل وغزنی کا امن وسکون جب منگولوں کی چیرہ دستیوں سے غارت ہوگیا تو شیخ شعیبؒ ترک مستقر کر کے مع اہل وعیال لاہور تشریف لائے اور کچھ مدت کے بعد ملتان کے ایک قصبہ کھوتوال میں آکر آباد ہوگئے۔ جہاں حضرت شیخ شعیبؒ کو تین نرینہ اولاد ہوئی، ۱) خواجہ جمال الدین سلیمانؒ ۲) خواجہ سعد حاجیؒ ان میں سے بڑے فرزند حضرت جمال الدین سلیمانؒ جو بڑے ہونہار ووفا شعار اپنی نیک سیرت وکردار وفضل وکمال کے اعتبار سے علماء وفضلاء کے درمیان بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے جنکے علمی کمالات نے حضرت وجیہ الدین ملتانی کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ یہ تاثر خاطر اس قدر آگے بڑھا کہ آپ نے اپنی صاحبزادی بی بی قرسم خاتون کا نکاح آپ سے کر دیا۔ حضرت شیخ جمال الدین سلیمان کو چار اولاد ہوئیں، تین لڑکے اور ایک لڑکی۔

۱) بڑے لڑکے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر، رحمۃ اللہ علیہ

۲) دوسرے لڑکے حضرت اعز الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ

۳) تیسرے لڑکے حضرت نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ

۴) صاحبزادی حضرت ہاجرہ رحمۃ اللہ علیہا۔

ولادت: شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ ۲۹ شعبان المعظم ۵۶۹ھ میں کھوتوال ضلع ملتان میں پیدا ہوئے آپ کے سال ولادت کے بارے میں مورخین نے بہت اختلاف کیا ہے۔ خزینۃ الاصفیا کی روایت کے مطابق آپ کی ولادت باسعادت ۵۸۴ھ میں ہوئی سیر الاولیاء اور جواہر فریدی میں آپ کا سال ولادت ۵۶۹ھ درج ہے۔ اسی طرح بعض تذکروں میں آپ کا سال ولادت ۵۸۲ھ اور ۵۸۰ھ ہے، مگر اکثر تذکرہ نگاروں نے ۵۶۹ھ والی روایت کو اپنایا ہے۔ آپ کی تشریف آوری کے ساتھ گھر میں خوشی و سرور کا ایک ماحول پیدا ہو گیا اہل خاندان آپ کی ولادت پر اللہ رب العزت کا شکر بجالائے اور آپ کے لئے نیک دعائیں کیں، آپ کا سلسلہ نسب سترہ (۱۷) واسطوں سے حضرت فاروق اعظمؓ سے جاملتا ہے، حضرت بابا فرید الدینؒ نے جس خاندان میں آنکھ کھولی اسکے سارے افراد صوم وصلوٰۃ، ذکر واذکار، تلاوت قرآن مجید کے پابند تھے، چنانچہ حضرت بابا فرید الدینؒ خود اپنی والدہ محترمہ کے تقویٰ وطہارت کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں جب کبھی مجھے دودھ پینے کی خواہش ہوتی تو والدہ صاحبہ سب سے پہلے وضو فرماتی اور دو رکعت نفل نماز پڑھتی پھر مجھے دودھ پلاتی تھیں آپ کے اس تقدس کا اثر تھا کہ اللہ رب العزت نے مجھے اس مقام ومرتبہ پر فائز فرمایا ہے۔

آپ کی والدہ محترمہ ایک ایسے بلند کردار و اعلیٰ سیرت صفات خاتون تھیں، جن کی پاکیزہ زندگی و اعلیٰ کردار کو دیکھ کر لوگوں نے کلمہ پڑھا اور آپ کی دین داری و دیانتداری کا اعتراف کیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ نے بی بی قرسم خاتون کی زاہدانہ زندگی کا اس طرح سے ذکر فرمایا ہے کہ اس سے آپ کی روحانی عظمتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ قرسم خاتون ایک رات تہجد کی نماز میں مصروف تھیں اسی وقت ایک چور آپ کے گھر میں داخل ہوا اور آپ کو مشغول عبادت دیکھ کر چوری کرنے کے لئے آگے بڑھا تو وہ نابینا ہو گیا مادر مہرباں بی بی قرسم خاتون صاحبہؒ سے درخواست کرنے لگا کہ اے پاک باز خاتون اگر میری بینائی واپس آجائے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی چوری نہیں کرونگا، آپ نے دعا فرمائی تو اللہ رب العزت نے اس چور کو بینائی عطا فرمائی اور وہ چور آپ کی اس کرامت کو دیکھ کر فوراً کلمہ پڑھ کر داخل اسلام ہو گیا۔

ایسے دینی و مذہبی پاکیزہ سیرت کے حامل خانوادے سے نسبت رکھنے والی ذات بابرکت ایسی شائستہ و

بلند کردار واقع ہوئی تھی کہ تذکرہ نگاروں نے آپ کو مادرزاد اولیاء کے زمرہ میں شامل فرمایا ہے اس سلسلہ کی کچھ مثالیں یہاں نقل کی جارہی ہیں۔

حضرت بابا فریدؒ کی ولادت کے چند سال بعد ایک دن دوران گفتگو والدہ محترمہ نے آپ سے فرمایا بیٹا میں نے تمہاری پیدائش سے پہلے کبھی بھی کوئی مشتبہ چیز نہیں کھائی، آپ مسکراتے ہوئے جواب دئے اماں جان آپ نے ایک پڑوس کی بیری کے درخت سے بغیر مالک کی اجازت کے بیر توڑ کر کھانا چاہا لیکن میں نے بے چینی کا اظہار کر کے آپ کو اس سے روک دیا تھا اس بات کو سن کر آپ کی والدہ محترمہ دریائے حیرت میں غرق ہوگئیں اور سمجھ گئیں کہ فرید ایک دن آسمان ولایت کا آفتاب بننے والا ہے۔

تعلیم وتربیت

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ عادات واوصاف کے لحاظ سے عام بچوں سے الگ واقع ہوئے تھے، جس زمانے میں بچے اپنے اوقات کھیل کود لہو ولعب اور شرارتوں میں گزارتے ہیں، وہیں آپ اپنی والدہ کے زیر سایہ اپنے اخلاق وکردار کو سنوارنے میں لگے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آپ کی کمسنی کا عالم ہے کہ مادر مہربان آپ کو نماز کی تلقین فرماتی ہیں تو آپ اپنی والدہ محترمہ سے دریافت فرماتے ہیں کہ، امی جان، جو بچے نماز پڑھتے ہیں انہیں اللہ کی طرف سے کیا انعام ملتا ہے، مادر مہربان نے فرمایا کہ میرے عزیز، نمازی بچوں کو شکر ملتی ہے، پھر انہیں بڑے بڑے انعامات سے نوازا جاتا ہے، حضرت بابا فریدالدین والدہ محترمہ کی تلقین کے بعد نمازوں کی طرف توجہ کرنے لگے، جب کبھی آپ نماز کی تیاری میں مصروف ہوجاتے والدہ محترمہ مصلے کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیتیں، حضرت بابا صاحب نماز ادا کرتے اور شکر کی صورت میں انعام پالیتے یہی طرز روش آپ کو عبادات کا ایسا خوگر بنایا کہ آپ جوانی میں دن کو روزہ اور راتوں کو قیام میں گزارتے رہے۔

مولانا سید نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے ایک جید عالم وفاضل انسان تھے کھوتوال کے ایک مکتب میں بیٹھے تشنگان علوم کو علم دین کے زیور سے آراستہ فرمارہے تھے، باباصاحب کی والدہ محترمہ آپ کو لے جاکر ان کی خدمت میں پیش کیا جہاں آپ نے قاری محمد صاحبؒ کی نگرانی میں سات سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید مکمل کرلیا مزید تعلیم حاصل کرنے کا شوق آپ کو دامنگیر رہا، مگر آپ کے رہائشی مقام پر اس کا کوئی

انتظام نہیں تھا چنانچہ آپ کو ملتان آنا پڑا، جہاں اس دور کے نامور عالم مولانا منہاج الدین ترمذیؒ درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے، باباصاحب انہی کے آگے زانو ادب تہہ کیا، اور انہیں سے علوم دینیہ کی تعلیم کا آغاز فرمایا، دو تین سال کے عرصہ میں تفسیر حدیث، اصول، معانی، فلسفہ، منطق، ریاضی، علم ہیت وغیرہ میں نہ صرف کمال حاصل کرلیا بلکہ ان علوم کی تکمیل بھی فرمائی اور اٹھارہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ ونقلیہ سے اپنے آپ کو فارغ کرلیا۔

حضرت بختیار کاکیؒ سے ملاقات

حضرت باباصاحب کے قیام ملتان کے دوران، آپ ایک دن نافع کتاب کے مطالعہ میں مشغول تھے، حضرت بختیار کاکیؒ بھی اسی مسجد میں تشریف لائے جہاں باباصاحب مقیم تھے، آپ کی مشغولیت کو دیکھ کر، بختیار کاکیؒ نے آپ سے پوچھا، اے نوجوان کیا پڑھ رہے ہو، باباصاحب نے جواب دیا نافع پڑھ رہا ہوں بختیار کاکیؒ نے فرمایا، انشاء اللہ نافع ہی ہوگا باباصاحب کی نگاہیں جوں ہی حضرت بختیار کاکیؒ سے ملیں، اسی وقت باباصاحب کی دل کی دنیا میں انقلاب آ گیا، بے اختیار خواجہ صاحب کے قدموں پر گر پڑے اور عرض کیا کہ عاجز کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کر لیجئے۔

بیعت وارادت

حضرت بختیار کاکیؒ نے پہلی ہی نظر میں تاڑ لیا تھا کہ اس سعادت منداور صالح نوجوا کے پیشانی میں نور ولایت چمک رہا ہے، فوری اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور باباصاحب کو اپنے حلقہ ارادتمندوں میں شامل کرلیا، اس کے بعد جب تک خواجہ صاحب ملتان میں مقیم رہے باباصاحب روزانہ ان کی فیض صحبت سے استفادہ فرماتے رہے، اوران کے پند ونصائح سے اپنے آپ کو مستفیض فرماتے رہے، خواجہ صاحب جب دہلی کے لئے عازم سفر ہوئے تو باباصاحب بھی ان کے ہمراہ چند میل تک سفر کرتے رہے، اسی اثناء میں خواجہ صاحب نے فرمایا، بابا فرید ابھی کچھ مدت علوم ظاہری کی تکمیل میں صرف کرو، ان سے فارغ ہوکر میرے پاس آجانا، پیرومرشد کے حسب ارشاد باباصاحب ملتان تشریف لائے اور علوم ظاہری کی تکمیل میں مصروف ہوگئے، مزید تحصیل علم کے شوق نے آپ کو ملتان سے نکال کر قندھار، غزنی، بلخ، بخارا، سیوستان، بدخشاں، بغداد، بیت المقدس، مکہ معظمہ،

مدینہ منورہ اور کئی دوسرے مقامات کی سیاحت پر آمادہ کیا جہاں جہاں آپ گئے وہاں کے علماء و مشائخین و بزرگان دین کی صحبت سے کسب فیض فرماتے رہے۔

شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی عظیم شخصیت سے بے حد متاثر تھے اور اپنی آخری عمر تک ان کے عقیدت مند رہے اپنے اس تعلق خاطر کا اظہار فرماتے ہوئے حضرت بابا فرید الدینؒ فرماتے ہیں کہ میں شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں رہا اور ان سے کسب فیض کرتا رہا۔

شیخ سیف الدین باخرزیؒ

شہر بخارا کی ایک باعظمت و پر جلال بزرگ شخصیت سیف الدین باخرزیؒ کی ہے، جب حضرت بابا فرید الدین ان کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضرت انہیں بیٹھ جانے کے لئے کہا اور لوگوں سے کہا کہ

''یہ لڑکا اپنے زمانے کے مشائخ میں ہوگا اور ایک زمانہ اس کا ارادت مند ہوگا''

بابا فرید الدین کئی دنوں تک آپ کی خدمت بابرکت میں رہ کر اکتساب فیض فرمایا۔

شیخ ابو یوسف چشتی

بابا فرید الدینؒ حضرت شیخ ابو یوسف چشتیؒ کی بارگاہ پر جمال میں بھی حاضری دیئے جہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کا موقعہ ملا، ان دنوں آپ نے حضرت ممدوح سے برابر اکتساب فیض فرمایا۔

زیارت حرمین شریفین

دوران سیاحت بابا صاحب مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچے اور مدینہ منورہ پہنچے ویسے بہت سارے حضرات زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوتے رہے مگر آپ کا انداز سب سے مختلف رہا ہے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ مکہ معظمہ کی زیارت سے مشرف ہوکر مدینہ منورہ تشریف لے آئے، تو گلزار فریدی کی روایت کے مطابق سرور عالم ﷺ نے نہ صرف آپ کی آمد کو قبول فرمایا بلکہ آپ کو اشارہ غیبی کے ذریعہ بغداد حاضر ہوکر تبرکات غوث اعظم حاصل کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی چنانچہ آپ وہاں پہنچ کر تبرکات کو

حاصل فرما کر اس سے مستفید ہوئے۔

ریاضات وعبادات

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ مختلف دیار و امصار کی سیر و سیاحت فرماتے ہوئے دنیا کی معروف ترین ہستیوں کی خدمت بابرکت سے اکتساب فیض فرماتے ہوئے اپنے مستقر کو لوٹ آئے، جب پیرومرشد کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا تو حضرت بختیار کاکیؒ نے انہیں فیض روحانی، و برکات نورانی سے مزین کرنے کے خیال سے اپنی خدمت بابرکت میں رکھا، اور وضو کروانے کی خدمت پر انہیں مامور فرمایا جس کو آپ بڑی تندہی اور بڑے ذوق وشوق سے انجام دیتے رہے۔

روایتوں میں ہے کہ موسم بہت سرد تھا پیرومرشد کو تہجد کے لئے گرم پانی کی ضرورت تھی مگر آگ کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا، اسی عالم میں آپ آگ کی تلاش میں باہر نکلے، ایک گھر میں آگ کے آثار نظر آئے تو آپ وہاں آگ لینے کے لئے پہنچے، صاحب خانہ آگ دینے کے عوض آپ کی ایک آنکھ مانگی، حضرت بابا فریدؒ اپنی ایک آنکھ دے کر آگ لے لئے، اور پیرومرشد کو پانی گرم کر کے وضو کروایا، پیرومرشد کی نگاہ عاطفت جب بابا فریدالدین کی آنکھ پر پڑی تو دریافت فرمایا کہ فرید آنکھ کو کیا ہو گیا ہے فرمایا کہ حضور آنکھ آئی ہے حضرت نے کہا کیا وہی آنکھ جو چلی گئی تھی حضرت کا اتنا فرمانا تھا کہ بابا فرید کی گئی ہوئی آنکھ بختیار کاکی کی کرامت سے لوٹ آئی مرید کے اس خلوص نے بابا فریدالدین کو اپنے پیرومرشد کے بالکل قریب کر دیا اور حضرت نے اپنے مرید کو تصفیہ باطن وتزکیہ قلب کی منازل طے کرنے کے لئے مجاہدات و ریاضات کی تعلیم وتلقین فرمائی مرید صادق اپنے پیرومرشد کے حکم کی بجا آوری میں اور عبادتوں میں ایسے مصروف ہو گئے کہ حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو انہیں اس قدر مشقت برداشت کرنے سے روکنا پڑا جیسا کہ طالب ہاشمی صاحب نے اس روایت کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔ "بابا بختیار کب تک اس نوجوان کو مجاہدہ کی آگ میں جلاؤ گے اسے کچھ عنایت کرو" آپ کی کثرت عبادت و ریاضت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ کے پیرومرشد غزنین دروازہ کے قریب ایک علیٰحدہ حجرہ مخصوص کر دیا تا کہ کوئی آپ کی خلوت ومجاہدہ میں مخل نہ ہو بابا صاحب نہایت ذوق وشوق سے اس حجرہ میں ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔

راحت القلوب کے حوالہ سے بابا فرید کا بیان یہاں نقل کیا جا رہا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں بیس سال

تک عالم تفکر میں رہا اور اس مدت میں، میں ہمیشہ کھڑا رہا چنانچہ میرے پاؤں سوج گئے تھے اور ان سے خون رستا رہتا تھا۔

اسی قبیل کی ایک اور روایت جو آپ نے عبادتوں میں گزارا ہے جس کے صلہ میں اللہ رب العزت نے آپ کو مقام کن فیکون عطا فرمانے کا اعلان فرمایا ہے، شوق عبادت میں آپ نے جو محنت و مشقت برداشت کی ہے وہ آپ ہی کا حق ہے۔

چلہ معکوس

ایک مرتبہ بابا فرید کے مرشد گرامی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے آپ کو حکم دیا کہ اے فرید جائے چلہ معکوس کرو یعنی کنویں میں رات بھر الٹا لٹک رک عبادت کرنے کو چلہ معکوس کہا جاتا ہے، پیرو مرشد کے حکم پر آپ نے مسجد حاج جو قصبہ ''اچہ'' میں واقع ہے، جہاں کے موذن کے تعاون سے آپ رات بھر کنویں میں الٹا لٹک کر عبادت میں مستغرق رہا کرتے تھے علی الصبح مصلیوں کی آمد سے پہلے آپ کو کھول دیا جاتا اور آپ کنویں سے باہر آجاتے مرشد گرامی ان کی اس عظیم عبادت و مجاہدات کو سنا تو اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

زہد و تقویٰ

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے حالات زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ آپ زہد و تقویٰ کے ایک مثالی پیکر تھے ہمیشہ مجاہدہ و ریاضت میں مستغرق رہتے تھے اور کثرت سے روزے رکھتے رہے بقول مصنف فوائد الفواد، حضرت بابا صاحب بیماری کی حالت میں بھی روزہ افطار نہ کرتے تھے اور رمضان المبارک میں نماز تراویح میں گزار دیتے تھے ایک مرتبہ کثرت ریاضت کی وجہ سے اتنے کمزور ہو گئے کہ اٹھ کر دو قدم بھی نہ چل سکتے تھے کسی ضرورت کی وجہ سے عصا کا سہارا لیکر اٹھے لیکن چند ہی قدم چلے تھے کہ عصا ہاتھ سے چھوٹ گیا آپ ''وہیں بیٹھ گئے، ان واقعات و روایات سے بابا فرید الدینؒ کے ریاضات و مجاہدات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

مصنف اللہ کے سفیر، حضرت بابا فریدؒ کی عبادت و ریاضت کے تعلق سے فرماتے ہیں کہ حضرت بابا فرید کی عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ آپ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے ہر رات دو قرآن شریف ختم فرماتے تھے، نماز کے علاوہ دعاؤں کے لئے بھی طویل سجدے ادا کیا کرتے تھے، رمضان المبارک میں ہر رات

تراویح کے دوران دوقرآن شریف سنایا کرتے تھے، آخر عمر میں تراویح بیٹھ کر پڑھتے تھے، مگر فرض نماز کھڑے ہوکر ادا کرتے تھے، اکثر آپ پر استغراق و جذب کی کیفیت طاری رہتی تھی، ایسی بیخودی کے عالم میں اپنے محبوب کے جلوؤں میں گم سم اپنا وقت گذارتے ہوئے نظر آتے تھے۔

آپ کے روزوں کے تعلق سے خان آصف، مصنف اللہ کے سفیر بیان فرماتے ہیں کہ، حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے روزوں کا یہ عالم تھا کہ آپ اس وقت تک روزے رکھے جب تک کہ آپ پر ناتوانی غالب نہ آگئی، اگر ہم اس مدت کا شمار کریں تو کم وبیش پچھتر (۷۵) سال تک، آپ کا یہ عمل جاری رہا، بعض معتبر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت بابا فرید صوم دوام کے عادی تھے، اس قسم کے روزوں میں تیسرے دن افطار کیا جاتا ہے آپ نے ایسی سخت ترین عبادتوں میں پچانوے (۹۵) سال تک اپنے آپ کو مشغول رکھا، یہ آپ کی جہاں روحانی کمال کا روشن ثبوت ہے، تو وہیں آپ کی ظاہری کرامات کا ثبوت بھی ہے۔

آپ کا جود وسخا

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا جود وسخا کا دروازہ ہمیشہ ہر عام وخاص کے لئے کھلا رہتا تھا آپ کی بخشش وعطا کے بڑے عجیب انداز تھے ملتان کا ایک زمیندار آپ سے غائبانہ عقیدت رکھتا تھا، مولانا عارف جو اسی شہر کی ایک مسجد میں امامت کرتے تھے، اتفاق سے انہیں اجودھن میں کوئی کام تھا جب وہ سفر پر نکلے تو زمیندار انہیں دوسو چاندی کے سکے عنایت فرماتے ہوئے کہا کہ یہ حقیر نذرانہ بابا فریدؒ کی خدمت بابرکت میں پیش کرکے ہمارے لئے دعاؤں کی درخواست کرنا، مولانا عارف صاحب شیطان کے فریب میں مبتلا ہوکر جب اجودھن پہنچے تو سو سکے خود رکھ لئے اور سو سکے حضرت بابا فرید کی نذر کئے، اور دعا کی درخواست کی، حضرت بابا فریدؒ مسکراتے ہوئے فرمایا کہ مولانا آپ نے نذرانے کی رقم کو آدھا آدھا کردیا، بابا فرید کے اس انکشاف پر مولانا عارف صاحب شرم وندامت کے پسینے میں نہاگئے، اور اپنی جیب سے وہ سو سکے نکال کر آپ کی خدمت میں رکھدئے مگر حضرت بابا فریدؒ نے وہ تمام کے تمام رقم مولانا عارف صاحب کو عطا فرماتے ہوئے ان کے ساتھ مزید حسن وسلوک کا جو مظاہرہ فرمایا جس سے متاثر ہوکر وہ اپنے کئے سے تائب ہوئے اور آپ کے حلقہ ارادتمندوں میں شامل ہوکر آپ کے خلفاء کے زمرہ میں پہنچ گئے یہ آپ کی ایک ادنیٰ عطا کرشمہ ہے کے لوگ جس سے نہ صرف آپ کے گرویدہ ہوجاتے تھے بلکہ آپ کے ساتھ اپنی نسبت کو سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے۔

فریضہ نکاح کی ادائیگی

۶۲۱ھ کا زمانہ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے عنفوان شباب کا دور تھا حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنے مرید خاص سے ازراہ محبت ارشاد فرمایا کہ بابا فرید اب تمہیں شادی کرلینی چاہئے، کیوں کہ جب تک رسالت مآب ﷺ کی ایک ایک سنت مبارکہ پر عمل نہ کیا جائے اس وقت تک درویشی کی تکمیل نہیں ہوتی۔

شیخ المشائخ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے بار بار اصرار پر آپ نے نکاح کرلیا، حضرت بابا صاحب کی ازواج واولاد کے متعلق تذکرہ نگاروں میں بہت سے اختلاف پایا جاتا ہے۔ ''ملفوظات خواجگان چشت'' کے حوالہ سے آپ کی چار شادیوں کا پتہ چلتا ہے، لیکن عدم تذکرہ نگاروں کی تحریرات سے آپ کی تین شادیوں کا پتہ چلتا ہے، اس روایت کے مطابق آپ کے ازواج کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱) بی بی ہزیرہ خاتون (دختر غیاث الدین بلبن)۔۲) بی بی مجیب النساء (ہمشیرہ شیخ زکریا سندھی)۔۳۔ بی بی کلثوم یاام کلثوم،

اکثر تذکرہ نگاروں کے قول کے مطابق آپ کو پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں، جو تقویٰ وطہارت کی لحاظ سے ہر ایک اوج کمال پر پہنچی ہوئی تھیں یہ سب کے سب اولاد بی بی ہزیرہ خاتون کے بطن مبارک سے تھی، صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔ ۱) خواجہ شہاب الدین، ۲) خواجہ بدرالدین، ۳) خواجہ نظام الدین، ۴) خواجہ یعقوب، ۵) خواجہ عبداللہ، صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں، ۱) بی بی مستورہ، (سیر الاقطاب کے بیان کے مطابق آپ کا نکاح شیخ عمر صوفی کلیری سے ہوا، ۲) بی بی شریفہ، بقول شیخ الحق محدث دہلوی آپ کا نکاح مخدوم علی احمد صابر کلیری سے ہوا، ۳) بی بی ام کلثوم، بقول صاحب گلزار فریدی آپ کا نکاح بابا صاحب متبنّی خواجہ نصر اللہ سے ہوا، بابا فریدالدین گنج شکرؒ کی جملہ اولاد نہایت عبادت گزار، وصوم صلوٰۃ کی پابند، تقویٰ وطہارت میں بے مثل وبے مثال واقع ہوئی تھی ان کی اس زاہدانہ زندگی کے پیش نظر حضرت بابا فریدالدینؒ بی بی شریفہ خاتون کے متعلق کہا کرتے تھے کہ، منصب خلافت کی اگر عورت لائق ہوتی، تو بی بی شریفہ اس منصب کی اہل ہوتی، یہ ہے آپ کی خاندانی صفات وروایات پرہیزگارانہ زندگی جسے دیکھ کر دوسرے لوگ تعریف کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔

آپ کے اخلاق وعادات

انسان کی عظمت وفضیلت کا معیار مقرر کرنا ہوتو اس کے اخلاق کو دیکھنا چاہیئے ،جس قدر اس کے اخلاق بلند ہوں گے اسی قدر اسکی ذات کا مقام ومرتبہ بھی بلند ہوگا حضرت بابا فریدالدین کے اخلاق وعادات کا کیا کہنا ایک شخص آپ کو قتل کرنے کے لئے آیا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ قاتل آپ کے پیچھے کھڑا ہے اس کے باوجود آپ اس سے درگزر سے کام لیتے ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ ایک دن پیرومرشد بابا فریدالدینؒ سجدے کی حالت میں تھے،اور میرے سوا وہاں کوئی خدمت گار موجود نہیں تھا،اچانک میں نے دیکھا کہ ایک دراز قامت ملنگ وہاں داخل ہوا، میں اسے روکنا چاہا مگر پیرومرشد کی عبادت میں کہیں خلل نہ واقع ہوجائے اس خیال سے میں اسے روک نہ سکا، وہ ملنگ تیزی سے آگے بڑھا،اور پیرومرشد کے قریب جاکر رک گیا حالت سجدہ ہی میں پیرومرشد نے فرمایا کہ یہاں کوئی ہے؟ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے کہا کہ حضور غلام حاضر ہے،نظام الدینؒ تم اس ملنگ کو دیکھ رہے ہو، جو میرے قریب کھڑا ہے،جس کے بغل میں ایک چھری ہے،اور وہ مجھے قتل کرنے کے لئے آیا ہے،اس سے کہہ دو کہ وہ مجھے قتل نہیں کرسکتا،اس لئے وہ یہاں سے چلا جائے میں نے اسے معاف کردیا ہے یہ ہے آپ کے بلند اخلاق وبلند کردار جس سے آپ کی عظمت وبزرگی سمجھ میں آتی ہے،اسی قبیل سے متعلق ایک واقعہ جو عوام میں مشہور ومعروف ہے ضرورت مند ہمیشہ حضرت بابا فریدالدینؒ کی بارگاہ میں اپنی ضرورتوں کو لیکر حاضر ہوتے آپ ان کی ہر طرح کی ضرورت کو پورا کردیا کرتے تھے،ایک مرتبہ ایک ضعیفہ بوڑھی عورت اپنی تین نوجوان بیٹیوں کی شادی کا معروضہ لیکر حاضر ہوئی اور اس سلسلہ میں آپ سے مدد کی طالب ہوئی،عورت چونکہ اپنی ضرورت کی اسیر تھی اس لئے حضرت بابا صاحب کی مجبوریوں کو سمجھ نہ سکی اور ایک ہی ضد کرتی رہی کہ اس کی بیٹیوں کی شادی کا انتظام کیا جائے۔

آخر کار آپ، مجبور ہوکر فرمایا کہ بی بی مٹی کا ایک ڈھیلا اٹھالا عورت حیران وپریشان ہوگئی اور ایک مٹی کا ڈھیلا اٹھالائی،آپؒ نے باآواز بلند تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر اس ڈھیلے پر دم کیا وہ مٹی کا ڈھیلا سونے کا بن گیا،سونے کا ٹکڑا اس عورت کے آگے بڑھاتے ہوئے آپ نے کہا کہ بی بی یہ لے لو اور اپنی بیٹیوں کی شادی کا انتظام کرلو، یہ ضعیف عورت اپنی ضرورت کو پورا ہوتے ہوئے دیکھ کر خوشی خوشی بابا فریدؒ کی مجلس سے چلی گئی یہ ہے

بابا فرید کی اخلاق کریمہ کی ایک ادنیٰ مثال.

آپ کے کشف و کرامات

اللہ رب العزت اپنے محبوبین و مقربین کو کشف و کرامت کی طاقت وقوت اس طرح عطا فرماتا ہے کہ جیسا کہ وہ اپنے انبیاء کرام کو معجزات کے ذریعہ عطا فرماتا ہے مگر اولیاء کرام کی یہ شان ہے کہ وہ بہت کم اپنے کشف و کرامت کا اظہار فرماتے ہیں، حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے کئی کشف و کرامات کا ظہور وصدور ہوا ہے جس میں سے چند ایک کا تذکرہ یہاں بیان کیا جارہا ہے۔

تاریخ فرشتہ میں سیر المشائخ کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ بابا فرید الدینؒ کا ایک عقیدت مند دہلی سے آپ کی ملاقات کے لئے اجودھن کے لئے عازم سفر ہوا راستہ میں ایک فاحشہ عورت کا ساتھ ہو گیا اُس نے اس نوجوان پر ڈورے ڈالنا شروع کیا نوجوان نے ہر چند کوشش کی کہ اس کے دام تزویر سے بچ جائے لیکن جوانی کے جذبات غالب آگئے جیسے ہی وہ ہاتھ آگے بڑھانا چاہا عین اسی وقت ایک شخص نمودار ہوا اور اس نوجوان کے منہ پر تھپڑ رسید کر کے کہا تجھے شرم نہیں آتی ، کہ فرید الدینؒ کے پاس جارہا ہے ، اور راستہ میں نازیبا حرکت کررہا ہے، پھر وہ شخص اتنا کہہ کر غائب ہو گیا نوجوان اپنی غلطی پر متنبہ ہو گیا۔

جب یہ نوجوان بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا بیٹے تو ایک فاحشہ عورت کے جال میں پھنس گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تجھے گناہ کبیرہ سے بچا لیا نوجوان حیرت سے دم بخود ہو گیا اور بصد عقیدت واحترام آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گیا، اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بزرگوں کی عقیدت مندی سے ہمیں کیا کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

۱) بزرگوں کی عقیدت مندی سے ہمیشہ انکا فیضان ہمارے ساتھ جاری وساری رہتا ہے۔

۲) ہر غلط عمل سے اور گناہوں کی زندگی سے ہمیشہ ہماری حفاظت ہوتی رہتی ہے۔

۳) نیکیوں اور بھلائیوں کے راستہ پر زندگی آگے بڑھتی رہتی ہے۔

۴) دنیا میں ایمان کی سلامتی اور آخرت کے پر آشوب حالات میں ان سے مدد و دستگیری حاصل ہوتی ہے۔

خدمت خلق

ہندو پاک کی سرزمین پر اسلام کی ترویج ونشر واشاعت کا جو کام ہوا ہے صرف صوفیائے کرام واولیائے عظام کا مرہون منت ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہاں یعنی (سرزمین ہند) میں کفروشرف کے اس گڑھ میں سب سے پہلے جس بزرگ نے تبلیغ اسلام کے لئے ایک باقاعدہ نظام قائم کیا وہ سلسلہ چشتیہ ہی کے چشم و چراغ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی ذات بابرکت ہے جنکی غیر معمولی رواداری حسن اخلاق و درویشانہ زندگی نے انہیں مرجع خلائق بنادیا ہے، اسی سلسلہ کی ایک اور مقتدر ومتدین ہستی حضرت بابا فریدالدینؒ کی بھی ہے، حضرت خواجہ اجمیری کے دور میں ہندوستان جیسے کفر وشرک کی آلودگیوں میں گھرا ہوا تھا بعینہ یہی حالات حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے دور میں اجودھن کے حالات تھے۔یعنی اس شہر اور اسکے نواحی علاقوں میں بکثرت غیر مسلم وجنگلی اقوام آباد تھیں۔ جو کفروشرک، واوہام پرستی میں مبتلا تھیں حضرت بابا فریدالدینؒ کی مساعی جمیلہ وخدمات خلق نے یہاں سے تمام آلائشوں کو نہ صرف دور کیا بلکہ ان باطل پرستوں کو حق سے جوڑ کر داخل اسلام کردیا۔

مغربی پنجاب کے بڑے بڑے قبیلے سیال، راجپوت، وٹو وغیرہ آپ کے دست حق پر مسلمان ہوئے اور آگے چل کر اپنے زمانے کے متقی وپارسا زمرہ کے سرخیل کہلائے۔

آپ کے خلفاء کا تذکرہ

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ صبح وشام رات اور دن ہمیشہ خدمت خلق فرماتے رہے کبھی بندگان خدا کی خدمت سے اپنے آپ کو دور نہیں رکھا، اسی تبلیغی امور کی انجام دہی کے لئے آپؒ نے اپنے خلفاء کی ایک ایسی جماعت تیار کی کہ وہ آپ کے بعد اس کام کو آگے بڑھاتے رہے ویسے آپ کے خلفاء کی تعداد تو بہت زیادہ ہے مگر یہاں آپ کے چند مشہور خلفاء کا تذکرہ کیا جاتا ہے، ۱) شیخ جمال الدین ہانسویؒ ۲) شیخ نجیب الدین متوکلؒ ۳) سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ۴) مخدوم علاؤالدین علی احمد صاحب کلیریؒ ۵) شیخ زکریا سندھی ۶) شیخ شہاب الدین

۷) خواجہ بدرالدین اسحاق ۸) شیخ یعقوب ۹) شیخ برہان الدین محمود ۱۰) محمد نیشاپوری ۱۱) سید محمود کرمانی ۱۲) شیخ بدرالدین وغیرہ جن کی کوششوں سے آج تک یہ رشد وہدایت کا سلسلہ اقطاب عالم میں جاری وساری ہے۔

ہندو پاک کی سرزمین پر اسلام کی ترویج ونشر واشاعت کا جو کام ہوا ہے صرف صوفیائے کرام واولیائے عظام کا مرہون منت ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہاں یعنی (سرزمین ہند) میں کفر وشرف کے اس گڑھ میں سب سے پہلے جس بزرگ نے تبلیغ اسلام کے لئے ایک باقاعدہ نظام قائم کیا وہ سلسلہ چشتیہ ہی کے چشم و چراغ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی ذات بابرکت ہے جنکی غیر معمولی رواداری حسن اخلاق و درویشانہ زندگی نے انہیں مرجع خلائق بنادیا ہے، اسی سلسلہ کی ایک اور مقتدر ومتدین ہستی حضرت بابا فریدالدینؒ کی بھی ہے، حضرت خواجہ اجمیری کے دور میں ہندوستان جیسے کفر وشرک کی آلودگیوں میں گھرا ہوا تھا بعینہ یہی حالات حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے دور میں اجودھن کے حالات تھے۔ یعنی اس شہر اور اسکے نواحی علاقوں میں بکثرت غیر مسلم وجنگلی اقوام آباد تھیں۔ جو کفر وشرک، واوہام پرستی میں مبتلا تھیں حضرت بابا فریدالدینؒ کی مساعی جمیلہ وخدمات خلق نے یہاں سے تمام آلائشوں کو نہ صرف دور کیا بلکہ ان باطل پرستوں کو حق سے جوڑ کر داخل اسلام کردیا۔

مغربی پنجاب کے بڑے بڑے قبیلے سیال، راجپوت، وٹو وغیرہ آپ کے دست حق پر مسلمان ہوئے اور آگے چل کر اپنے زمانے کے متقی وپارسا زمرہ کے سرخیل کہلائے۔

آپ کے خلفاء کا تذکرہ

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ صبح وشام رات اور دن ہمیشہ خدمت خلق فرماتے رہے کبھی بندگان خدا کی خدمت سے اپنے آپ کو دور نہیں رکھا، اسی تبلیغی امور کی انجام دہی کے لئے آپؒ نے اپنے خلفاء کی ایک ایسی جماعت تیار کی کہ وہ آپ کے بعد اس کام کو آگے بڑھاتے رہے ویسے آپ کے خلفاء کی تعداد تو بہت زیادہ ہے مگر یہاں آپ کے چند مشہور خلفاء کا تذکرہ کیا جاتا ہے، ۱) شیخ جمال الدین ہانسویؒ ۲) شیخ نجیب الدین متوکلؒ ۳) سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ۴) مخدوم علاؤالدین علی احمد صاحب کلیریؒ ۵) شیخ زکریا سندھی ۶) شیخ شہاب الدین

۷) خواجہ بدرالدین اسحاق ۸) شیخ یعقوب ۹) شیخ برہان الدین محمود ۱۰) محمد نیشاپوری ۱۱) سید محمود کرمانی ۱۲) شیخ بدرالدین وغیرہ جن کی کوششوں سے آج تک یہ رشد وہدایت کا سلسلہ اقطاب عالم میں جاری وساری ہے۔

وظائف

آپ اپنے مریدین ومعتقدین کووقتاً فوقتاً نصیحت فرمایا کرتے تھے تاکہ اس کے ذریعہ عبادت میں لطف و چاشنی پیدا ہو، ایک مرتبہ ذکر کی محفل منعقد ہوئی جس میں آیۃ الکرسی اور درود شریف کی فضیلت بیان کی گئی۔

آیۃ الکرسی کی فضیلت: آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس روز یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی ستر ہزار فرشتے حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ زمین پر نیچے اترے تھے، اور سرور عالم ﷺ نے نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ اس کو لیا تھا۔

حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو بندہ آیۃ الکرسی پڑھے گا ہر ہر حرف کے بدلے ہزار سالہ عبادت کا ثواب عطا کروں گا۔

فتاویٰ سھیر یہ میں مرقوم ہے کہ جو شخص آیۃ الکرسی پڑھ کر گھر سے باہر نکلتا ہے اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کے گھر واپس آنے تک اس کے ہمراہ رہیں، اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں۔

پھر فرمایا خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ فرماتے تھے کہ جو شخص آیۃ الکرسی پڑھکر گھر میں داخل ہو یا باہر نکلے تو اللہ تعالیٰ اس کو مفلسی اور تنگ دستی سے محفوظ رکھے گا۔

اور جامع الحکایات کتاب کے حوالہ سے آپ نے فرمایا کہ میں نے اس میں یہ حکایت پڑھی ہے کہ ایک درویش آیۃ الکرسی پڑھ کر اپنے گھر سے باہر نکلے انکی غیر حاضری میں ان کے گھر میں چند لوگ چوری کے ارادے سے داخل ہوتے ہی اندھے ہو گئے، درویش واپس آئے اور ان سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے اپنا حال بیان کیا اور اپنی غلطی کی معافی چاہی درویش نے انہیں ایسا آئندہ نہ کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے انہیں معاف کر دیا اور انکی حق میں دعا فرمائی تو ان کی بصارت دوبارہ لوٹ آئی: (از طالب ہاشمی، تذکرہ بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ)

درود شریف

۲۰ ماہ ذی الحجہ ۶۵۷ھ کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اپنی مجلس مبارک میں درود شریف کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا میں نے آثار اولیاء میں پڑھا ہے کہ جو شخص رسول اکرم ﷺ کو صدق دل سے درود

بھیجتا ہے وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے گویا کہ وہ اسی وقت اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو، اور ایک لاکھ نیکیاں اسی وقت اسکی نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں، اور اسکا نام زمرہ اولیاء میں لکھا جاتا ہے، پھر فرمایا کہ صحابہ اکرام تابعین ومشائخین نے اپنے اوپر درود شریف کا پڑھنا اور اسکا وظیفہ کرنا لازم کرلیا تھا جسکو وہ مقررہ اوقات پر ضرور ادا کیا کرتے تھے اگر کبھی راتوں کو اسکی ادائیگی میں کوتاہی وتساہلی ہو جاتی تو وہ اپنے آپ کو مردہ تصور کرتے تھے اگر ہم زندہ ہوتے تو رسول اکرم ﷺ پر درود شریف کا پڑھنا کیسے فوت ہوتا۔

حضرت یحیی معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ ہر ماہ تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتے تھے ایک مرتبہ یہ وظیفہ فوت ہو گیا، صبح اٹھ کر یوں آہ وزاری کرنے لگے کہ گویا انکا کوئی عزیز وقریبی رشتہ دار کا انتقال ہو گیا ہو، لوگ اس حال کو دیکھ کر تعزیت ادا کرنے کے لئے آ گئے اور استفسار حال کرنے لگے آپ انہیں جواب دیتے گئے کہ یہ ماتم اس لئے نہیں کہ یہاں کسی کا انتقال ہو گیا بلکہ اس لئے آج درود شریف کا پڑھنا مجھ سے ناغہ ہو گیا جسکی وجہ سے میں ایک بہت بڑی نعمت سے محروم ہو گیا ہوں اس نعمت کی محرومی کی وجہ سے رو رہا ہوں ابھی وہ اسی کیفیت میں مبتلا تھے کہ ہاتف غیبی سے آواز آئی کہ اے یحیی ہر روز تجھے درود شریف پڑھنے کا جتنا ثواب ملتا تھا تیرے رونے کی وجہ سے آج تجھے اس سے سو گنا ثواب اور دیا جائیگا۔

اس مجلس میں آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید مرض میں مبتلا ہوا چھ ماہ کی بیماری نے اسے بے حد کمزور ونحیف کر دیا ایک روز شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا ادھر سے گذر ہوا تو خلیفہ ہارون رشید منت وسماجت سے انہیں اپنی محفل میں بلایا اور بیماری کا حال بیان کیا تو حضرت شیخ شبلیؒ کئی مرتبہ درود شریف پڑھکر اس پر دم کیا تو وہ اسی وقت صحت یاب ہو گیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو وصال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھ کر دریافت فرمایا کہ اللہ رب العزت نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا آپ نے جواب دیا کہ میں نے پانچ درود شریف (۱) اللھم صل علی محمد عددمن صلی علیه (۲) وصلی علی محمد بعددمن لم یصل علیه (۳) وصل علی محمد کما تحب وترضی ان تصلی علیه (٤) وصل علی محمد کما ینبغی الصلوٰة علیه (٥) وصلی علی محمد کما امرتنا باالصلوة علیه۔ ہر روز پابندی سے پڑھا کرتا تھا اللہ رب العزت نے ان کے طفیل مجھے بخش دیا۔ پھر آپ نے تمام حاضرین سے فرمایا کہ انسان کو چاہئے کہ وہ سرور عالم ﷺ پر ہمیشہ کثرت سے

درود شریف پڑھا کرے تاکہ سعادت دارین حاصل کریں۔

وصال

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ اپنی زندگی کے اکثر ایام اسفار میں گزارے مگر جہاں کہیں بھی آپ تشریف لے گئے وہاں تبلیغ دین حنیف کے ساتھ ساتھ خدمت خلق کے فریضہ کو بھی ادا کرتے رہے اور پوری دلجمعی وتندوہی کے ساتھ اس خدمت کو نبھایا آخر کار وہ وقت بھی آپہنچا جو ہر ایک لے آتا ہے جس کو ہم موت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

آج تم ،کل ہماری باری ہے　　　موت سے کس کو رستگاری ہے

حضرت بابا فرید الدین کی تاریخ وفات کے سلسلہ میں تذکرہ نگاروں میں بہت سخت اختلاف پایا جاتا ہے تاریخ فرشتہ میں آپ کا سال وفات ۶۶۰ھ لکھا ہے اور سیر الاولیاء سفینۃ الاولیاء اخبار الاخیار، اور جواہر فریدی میں ۶۶۴ھ لکھا ہے سیر الاقطاب ۶۹۰ھ لکھا ہے اور بعض محققین نے ۶۶۶ھ لکھا ہے سال ولادت اور سال وفات کے متعلق کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوا تنا ضرور ثابت ہے کہ آپ نے خاصی عمر پائی اور جس قدر بھی پائی عمر کا وہ تمام تر حصہ عبادتوں وریاضتوں میں اور خلق کی خدمت کرتے ہوئے گزار دی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے ملفوظات

حضرت بابا فرید الدین کی وہ تمام نصیحتیں جو آپ نے اپنے مریدین ومتعقدمین ومتوسلین کو فرمائی ہیں افادۂ عام کی غرض سے یہاں بیان کی جارہی ہیں۔

(۱) دشمن کی سخت کلامی سے دامن صبر ہاتھ سے جانے مت دو۔

(۲) جنگ کی جگہ صلح سے کام لیا کرو۔

(۳) مستحقین کو ہر حال میں یاد رکھو۔

(۴) ہمیشہ اپنے عیوب پر نظر رکھو۔

(۵) ناجائز وناروا چیزوں سے ہر حالت میں پرہیز کیا کرو۔

(۶) ناشائستہ کلمات سے کبھی اپنی زبان کو آلودہ نہ کرو۔

(۷) جوشخص اللہ سے کلام کرنا چاہتا ہے،اس کو چاہئے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کرے۔

(۸) عقل مند شخص وہ ہے جو سب کاموں مین اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور کسی سے کسی طرح کی امید نہ رکھے۔

(۹) ہر شخص کا کھانا مت کھاؤ لیکن ہر شخص کو کھانا کھلاؤ۔

(۱۰) ظاہری آرائش کے پیچھے مت پڑو۔

(۱۱) جو کچھ انسان کو پیش آتا ہے وہ سب خدا کی مرضی سے ظہور میں آتا ہے۔

(۱۲) دشمن کو احسان اور نیک مشورہ سے شکست دو اور دوست کو تواضع سے غلام بناؤ۔

(۱۳) جس نے سعادت حاصل کی ہے بزرگوں کی خدمت سے حاصل کی ہے۔

(۱۴) جولوگ یادالٰہی سے غافل ہیں وہ مردہ ہیں۔

(۱۵) جس شخص کا اپنے مرشد کے حق میں نیک عقیدہ نہیں وہ مرید نہیں۔

(۱۶) مرشد سے خرقہ پہن لینا آسان ہے لیکن اسکا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے اگر صرف خرقہ پوشی پر نجات کا

دارومدار ہوتا تو جو سب کاموں میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور کسی سے کسی طرح کی امید نہ رکھے۔

(۱۷) دشمن کو خواہ تم سے خوش نظر آئے اسے حقیر مت جانو۔

(حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ۔از طالب ہاشمی ص،۲۹۷)

☆☆☆☆☆☆☆☆

آثارِ قیامت

از: مولوی حافظ قاری سید اشرف علی باقوی لطیفی
خطیب و امام چوک مسجد، بی کتہ کوٹہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُم اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عظیم ہ یَوْمَ تَرَوْنَھَا تَذْھَلُ کُلُّ مُرْضِعَۃٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَھَا وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا ھُمْ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ ہ (سورۂ حج پ ۱۷)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بلاشک قیامت کا زلزلہ بڑا بھاری ہے اس دن ماں اپنے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حمل والی عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا۔ اور لوگ ایسے نظر آئیں گے گویا کہ وہ نشہ میں ہیں حالانکہ وہ نشہ کی حالت میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ اس قسم کا ہوگا۔

قرآن پاک کے سورۂ حج کی ابتدائی آیات یوم قیامت سے متعلق ہیں چنانچہ ان آیات بینات سے معلوم ہوا کہ قیامت مقررہ وقت پر آ کر رہے گی۔ روز قیامت پر ایمان لانا فرض ہے جس طرح اللہ تعالیٰ پر اور اسکی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے۔

جیسا کہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں پر ایمان لانے کو فرض ٹھہرایا ہے گویا قیامت پر ایمان لائے بغیر ایمان ادھورا رہ جاتا ہے۔ یقیناً قیامت سے کسی کو انکار نہیں۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ السَّاعَۃَ اٰیۃٌ لَّا رَیْبَ فِیْھَا ۔ بے شک قیامت آنے ولی ہے اس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ ان آیات کے علاوہ قرآن پاک کی متعدد آیات کے ذریعہ قیامت کی آمد کو یقینی و لازمی قرار دیا گیا۔

جب یہ حقیقت ہم عیاں ہو چکی ہے کہ قیامت کا آنا امر یقینی ہے تو ہمارے ذہنوں پر یہ سوال ابھرتا ہے کہ قیامت کب واقع ہوگی۔ یہ وہی سوال ہے جو حضرات صحابۂ کرام کے اذہانِ مبارک میں بھی آیا تھا اور خود ملائکہ کے سردار حضرت جبرئیل کے ذہن پر بھی ابھرا تھا۔ جیسا کہ مشہور ترین حدیث، حدیث جبرئیل یا حدیث احسان میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل نے حضور پاک علیہ السلام سے سوال فرمایا کہ متی الساعۃ یا رسول اللہ۔ اے اللہ کے

نبی فرمایئے قیامت کب واقع ہوگی۔

اس سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امر یقینی کے بارے میں مسئول کے مقابلہ میں سائل زیادہ واقف ہے۔اس جواب کے ساتھ قیامت کی چند علامتوں کا تذکرہ فرمایا۔غرض کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ کی روشنی میں قرب قیامت کے دور کو جس میں ان آثار وعلامات کا ظہور ہوگا فتنہ کے دور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے قریب ۷۲ باتیں پیش آئیں گی۔

(۱) لوگ نمازیں غارت کرنے لگیں گے۔یعنی نمازوں کا اہتمام رخصت ہوجائے گا۔یہ بات اس زمانے میں کہی جائے تو کوئی زیادہ تعجب کی بات نہیں سمجھی جائے گی۔اسلئے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت ایسی ہے جو نماز کی پابند نہیں ہے۔العیاذ باللہ

(۲) امانت ضائع کرنے لگیں گے۔یعنی جو امانت ان کے پاس رکھی جائیں گی اس میں خیانت کرنے لگیں گے۔

(۳) سود کھانے لگیں گے

(۴) جھوٹ کو حلال سمجھنے لگیں گے۔یعنی جھوٹ ایک فن اور ہنر بن جائے گا

(۵) معمولی معمولی باتوں پر خونریزی کرنے لگیں گے۔ذراسی بات پر دوسروے کی جان لے لیں گے۔

(۶) اونچی اونچی بلڈنگیں بنائیں گے

(۷) دین بیچ کر دنیا جمع کریں گے

(۸) قطع رحمی رشتہ داروں سے بدسلوکی ہوگی

(۹) انصاف نایاب ہوجائے گا

(۱۰) جھوٹ سچ بن جائے گا

(۱۱) لباس ریشم کا پہنا جائے گا

(۱۲) ظلم عام ہوجائے گا

(۱۳) طلاقوں کی کثرت ہوگی

(۱۴) ناگہانی موت عام ہوجائے گی۔یعنی ایسی موت عام ہوجائے گی جس کا پہلے سے پتہ نہیں ہوگا۔بلکہ اچانک پتہ چلے گا کہ فلاں شخص ابھی زندہ ٹھیک ٹھاک تھا اور اب مرگیا۔

(۱۵)خیانت کرنے والے کوامین سمجھا جائے گا
(۱۶)امانت دار کو خائن سمجھا جائے گا۔یعنی امانت دار پر تہمت لگائی جائے گی کہ یہ خائن ہے۔
(۱۷)جھوٹے کوسچا سمجھا جائے گا۔
(۱۸)سچے کوجھوٹا کہا جائے گا۔
(۱۹)تہمت عام ہو جائے گی۔یعنی لوگ ایک دوسرے پر جھوٹی تہمتیں لگائیں گے
(۲۰)بارش کے باوجود گرمی ہوگی
(۲۱)لوگ اولاد کی خواہش کرنے کے بجائے اولاد سے کراہت کریں گے۔یعنی جس طرح لوگ اولاد ہونے کی دعائیں کرتے ہیں اس کے بجائے لوگ یہ دعائیں کریں گے کہ اولاد نہ ہو چنانچہ آج دیکھ لیں کہ خاندانی منصوبہ بندی ہو رہی ہے اور یہ نعرہ لگا رہے ہیں کہ بچے دو ہی اچھے۔
(۲۲)کمینوں کے ٹھاٹھ ہونگے۔یعنی کمینے لوگ بڑے ٹھاٹھ سے عیش وعشرت کے ساتھ زندگی گزاریں گے۔
(۲۳)شریفوں کا ناک میں دم آجائے گا۔یعنی شریف لوگ شرافت کو لے کر بیٹھیں گے تو دنیا سے کٹ جائیں گے۔
(۲۴)امیر اور وزیر جھوٹ کے عادی بن جائیں گے۔یعنی سربراہ حکومت اور اس کے اعوان وانصار اور وزراء جھوٹے ہوں گے۔
(۲۵)امین خیانت کرنے لگیں گے۔
(۲۶)سردار ظلم پیشہ ہونگے
(۲۷)عالم اور قاری بدکار ہونگے۔یعنی عالم بھی ہیں اور قرآن کریم کی تلاوت بھی کررہے ہیں مگر بدکار ہیں۔العیاذ باللہ
(۲۸)لوگ جانوروں کی کھالوں کا لباس پہنیں گے۔
(۲۹)مگر ان کے دل مردار سے بھی زیادہ بدبودار ہونگے۔یعنی لوگ جانوروں کی کھالوں سے بنے ہوئے اعلیٰ درجے کے لباس پہنیں گے لیکن ان کے دل مردار سے بھی زیادہ بدبودار ہوں گے
(۳۰)اور ایلوے سے زیادہ کڑوے ہوں گے۔
(۳۱)سونا عام ہو جائے گا
(۳۲)چاندی کی مانگ ہوگی
(۳۳)گناہ زیادہ ہو جائیں گے

(۳۴)امن کم ہو جائے گا۔

(۳۵)قرآن کریم کے نسخوں کو آراستہ کیا جائے گا اور اس پر نقش و نگار بنایا جائے گا

(۳۶)مساجد میں نقش و نگار کئے جائیں گے۔

(۳۷)اونچے اونچے مینار بنیں گے۔

(۳۸)لیکن دل ویران ہوں گے۔

(۳۹)شرابیں پی جائیں گی۔

(۴۰)شرعی سزاؤں کو معطل کر دیا جائے گا۔

(۴۱)لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔ بیٹی ماں پر حکمرانی کرے گی اور اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے گی جیسے آقا اپنی کنیز کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔

(۴۲)جو لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن، غیر مذہب ہونگے وہ بادشاہ بن جائیں گے۔ کمینے اور نیچ ذات کے لوگ جو نسی اور اخلاق کے اعتبار سے کمینے اور نیچے درجے کے سمجھے جاتے ہیں وہ سربراہ بن کر حکومت کریں گے۔

(۴۳)تجارت میں عورت مرد کے ساتھ شرکت کرے گی۔ جیسے آج کل ہو رہا ہے کہ عورتیں زندگی کے ہر کام میں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی کوشش کر رہی ہیں

(۴۴)مرد عورتوں کی نقالی کریں گے۔

(۴۵)عورتیں مردوں کی نقالی کریں گی۔ یعنی مرد عورتوں جیسا حلیہ بنائیں گے اور عورتیں مردوں جیسا حلیہ بنائیں گی۔ آج دیکھ لیں کہ نئے فیشن نے یہ حالت کر دی ہے کہ دور سے دیکھو تو پتہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ یہ مرد ہے یا عورت ہے۔

(۴۶)غیر اللہ کی قسمیں کھائی جائیں گی۔ یعنی قسم تو صرف اللہ کی یا اللہ کی صفت کی اور قرآن کی کھانا جائز ہے۔ دوسری چیزوں کی قسم کھانا حرام ہے۔ لیکن اس وقت لوگ اور چیزوں کی قسم کھائیں گے۔ مثلاً تیرے سر کی قسم وغیرہ

(۴۷)مسلمان بھی بغیر کہے جھوٹی گواہی دینے کو تیار ہوگا۔ لفظ ''بھی کے ذریعہ یہ بتا دیا کہ اور لوگ تو یہ کام کرتے ہی ہیں لیکن اس وقت مسلمان بھی جھوٹی گواہی دینے کو تیار ہو جائیں گے۔

(۴۸)صرف جان پہچان کے لوگوں کو سلام کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر راستے میں کہیں سے گزر رہے ہیں تو ان لوگوں کو سلام نہیں کیا جائے گا جن سے جان پہچان نہیں ہے اگر جان پہچان ہے تو سلام کر لیں گے۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ ہے کہ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف جس کو تم جانتے ہو اس کو بھی سلام کرو اور جس کو تم نہیں

جانتے اس کو بھی سلام کرو۔ خاص طور پر اس وقت جب کہ راستے میں اِکا دُکا آدمی گزر رہے ہوں تو اس وقت سب آنے جانے والوں کو سلام کرنا چاہئے، لیکن اگر آنے جانے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو اور سلام کی وجہ سے اپنے کام میں خلل آنے کا اندیشہ ہو تو پھر سلام نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اِکا دُکا آدمی گزر رہے ہوں گے تب بھی سلام نہیں کریں گے اور سلام کا رواج ختم ہو جائے گا۔

(۴۹) غیر دین کے لئے شرعی علم پڑھا جائے گا۔ یعنی شرعی علم دین کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے لئے پڑھا جائے گا۔ العیاذ باللہ اور مقصد یہ ہوگا کہ اس کے ذریعہ ہمیں ڈگری مل جائے گی، ملازمت مل جائے گی، پیسے مل جائیں گے، عزت اور شہرت حاصل ہو جائے گی۔ ان مقاصد کے لئے دین کا علم پڑھا جائے گا۔

(۵۰) آخرت کے کام سے دنیا کمائی جائے گی۔

(۵۱) مالِ غنیمت کو ذاتی جاگیر سمجھ لیا جائے گا۔ مالِ غنیمت سے مراد قومی خزانہ ہے یعنی قومی خزانہ کو ذاتی جاگیر اور ذاتی دولت سمجھ کر معاملہ کریں گے۔

(۵۲) امانت کو لوٹ کا مال سمجھا جائے گا۔ یعنی اگر کسی نے امانت رکھوادی تو سمجھیں گے کہ یہ لوٹ کا مال حاصل ہو گیا

(۵۳) زکوۃ کو جرمانہ سمجھا جائے گا۔

(۵۴) سب سے زیادہ رذیل اور بدکصلت انسان ہوگا، اس کو قوم کے لوگ اپنا قائد، اپنا ہیرو اور اپنا سربراہ بنا لیں گے

(۵۵) آدمی اپنے باپ کی نافرمانی کرے گا۔

(۵۶) آدمی اپنی ماں سے بدسلوکی کرے گا۔

(۵۷) دوست کو نقصان پہنچانے سے گریز نہیں کرے گا۔

(۵۸) بیوی کی اطاعت کرے گا۔

(۵۹) آوازیں مسجدوں میں بلند ہوں گی۔

(۶۰) گانے والی عورتوں کی تعظیم و تکریم کی جائے گی۔ یعنی جو عورتیں گانے بجانے کا پیشہ کرنے والی ہیں ان کی تعظیم اور تکریم کی جائے گی اور ان کو بلند مرتبہ دیا جائے گا۔

(۶۱) گانے بجانے کے اور موسیقی کے آلات کو سنبھال کر رکھا جائے گا۔

(۶۲) سرِ راہ شرابیں پی جائیں گی

(۶۳) ظلم کو فخر سمجھا جائے گا۔

(۶۴) انصاف بکنے لگے گا۔ یعنی عدالتوں میں انصاف فروخت ہوگا۔ لوگ پیسے دے کر اس کو خریدیں گے۔

(۶۵) پولیس والوں کی کثرت ہو جائے گی

(۶۶) قرآن کریم کو نغمہ سرائی کا ذریعہ بنالیا جائے گا۔ یعنی موسیقی کے بدلے میں قرآن کی تلاوت کی جائے گی تا کہ اس کے ذریعہ ترنم کا حظ اور مزہ حاصل ہو۔ اور قرآن کی دعوت اور اس کو سمجھنے یا اس کے ذریعہ اجر وثواب حاصل کرنے کے لئے تلاوت نہیں کی جائے گی۔

(۶۷) درندوں کی کھال استعمال کی جائے گی۔

(۶۸) اُمت کے آخری لوگ اپنے سے پہلے لوگوں پر لعن طعن کریں گے۔ یعنی ان پر تنقید کریں گے ان پر اعتماد نہیں کریں گے، اور تنقید کرتے ہوئے یہ کہیں گے کہ انہوں نے یہ بات غلط کہی۔ یہ غلط طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ آج بہت بڑی مخلوق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی شان میں گستاخیاں کررہے ہیں جن کے ذریعہ یہ دین پہنچا، اور ان کو بے وقوف بتا رہے ہیں کہ وہ لوگ قرآن وحدیث کو نہیں سمجھے، دین کو نہیں سمجھے۔ آج ہم نے دین کو صحیح سمجھا ہے۔ پھر فرمایا کہ جب یہ علامات ظاہر ہوں تو اس وقت اس کا انتظار کرو کہ

(۶۹) یا تو تم پر سرخ آندھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آجائے

(۷۰) یا زلزلے آجائیں

(۷۱) یا لوگوں کی صورتیں بدل جائیں

(۷۲) یا آسمان سے پتھر برسیں۔ یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اور عذاب آجائے۔ العیاذ باللہ۔

اب آپ ان علامات میں ذرا غور کر کے دیکھیں کہ یہ سب علامات ایک ایک کر کے کس طرح ہمارے معاشرے پر صادق آرہی ہیں اور اس وقت جو عذاب ہم پر مسلط ہے وہ درحقیقت اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ (درمنثور صفحہ ۵۲ جلد ۶)

اللہ پاک کل ملت اسلامیہ کو خیر کی توفیق بخشے۔ آمین

☆☆☆☆☆

تقلید ہی سیدھا راستہ ہے

از: عبدالسلام لطیفی ویلوری

تقلید کے شرعی معنی ہیں دوسرے کی بات بلا دلیل مان لینا، پیروی کرنا کسی کی متابعت کرنا وغیرہ۔ہم اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں تقلید کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ایک بچہ ہوش سنبھالتے ہی اپنے ماں باپ کی تقلید کے سہارے ہی سے پروان چڑھتا ہے۔ایک بیمار اپنے معالج کی تقلید کرکے شفایاب ہوتا ہے۔ایک ناخواندہ اپنے معلم کی تقلید سے صاحب علم وفضل بنتا ہے۔اس طرح فرد کسی نہ کسی دوسرے فرد کی کسی نہ کسی معاملہ میں تقلید کرتا ہوا دیکھا جاتا ہے اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ تقلید ہماری زندگی کا جز ہے اور بغیر تقلید کے زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔

تقلید کا واجب ہونا قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور صحابہ کے تعامل صالحین امت کے عمل اور اقوال سے ثابت ہے۔اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم ترجمہ ہم کو سیدھا راستہ چلا ان کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم وہی ہے جن پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوں۔اور تمام مفسرین، محدثین ،فقہا، اولیاء اللہ، غوث وقطب ابدال یہ اللہ کے نیک بندے ہیں اور یہ سب مقلد ہی گزرے ہیں لہذا تقلید ہی سیدھا راستہ ہوا۔

لا یکلف الله نفسا الا وسعها ترجمہ اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسکی طاقت بھر۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ کام دے کر اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا جب ایک غریب آدمی پر زکوۃ اور حج فرض نہیں تو ایک بے علم آدمی پر مسائل واستنباط کرنا کیسے واجب ہوگا۔

فاسئلو اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون ترجمہ تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو وہ اھل علم سے دریافت کرے وہ اجتہادو مسائل جن کے نکالنے کی ہم میں طاقت نہ ہو مجتہدین سے دریافت کریں۔واتبع سبیل من اناب الیّ ترجمہ اور اسکی راہ پر چل جو میری طرف رجوع لایا۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کی اتباع (تقلید) ضروری ہے۔

یوم ندعو کل اناس جامامهم ترجمہ جس دن ہر جماعت کو اسکے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ قیامت کے دن ہر انسان کو اسکے امام کے ساتھ بلایا جائے گا یوں کہا جائے گا کہ اے حنفیوں اے شافیوں اے مالکیوں چلو تو جس نے امام ہی نہ پکڑا اسکو کس کے ساتھ بلایا جائے گا۔ اسکے بارے میں صوفیائے کرام فرماتے ہیں جس کا کوئی امام نہیں اس کا امام شیطان ہے۔

ان النبی صلی الله علیه و سلم قال الدین النصیحة قلنا لمن قال لله ولکتابه ولرسوله ولائمة المسلمین و عامتهم (مسلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین خیر خواہی ہے ہم نے عرض کیا کس کی، فرمایا اللہ کی اور اسکی کتاب کی اور اسکے رسول کی اور مسلمانوں کے اماموں کی اور عام مومنین کی نیز حدیث میں آیا ہے کہ مساوا المومنون حسنا فهو عندالله حسن جسکو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے آج بھی اور اس سے پہلے بھی عام مسلمان تقلید ہی کو اچھا جانتے آئے اور مقلد ہی ہوئے۔ امت کا سواد اعظم ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کا مقلد ہے۔

آج غیر مقلدین کا یہ اعتراض ہے کہ اگر تقلید ضروری تھی تو صحابہ کرام کسی کے مقلد کیوں نہ ہوئے تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا ہیں۔

یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ ہم کسی کے امتی نہیں کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے امتی نہ تھے تو امتی نہ ہونا سنت رسول ہے تو اس سے یہ ہی کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نبی ہیں سب آپکی امت ہیں وہ کسی کے امتی ہوتے ہم کو امتی ہونا ضروری ہے۔

ایسے ہی صحابہ کرام تمام مسلمانوں کے امام ہیں ان کا کون مسلمان امام ہوتا نہر سے پانی اسی کھیت کو دیا جائے گا جو دریا سے دور ہو، مکبرین کی آواز پر وہ ہی نماز پڑھے گا جو امام سے دور ہو جب دریا کے کھیتوں کو نہروں کی ضرورت نہیں صفحہ اول کے مقتدیوں کو مکبرین کی ضرورت نہیں۔

صحابہ کرام صفحہ اول کے مقتدی ہیں وہ بلا واسطہ سینہ پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لینے والے ہیں ہم چونکہ اس بحر سے دور ہیں لہذا نہر کے حاجتمند ہیں پھر دریا سے ہزار ہا نہریں جاری ہوتے ہیں جن میں پانی تو دریا ہی کا ہے

مگران سب کا نام اور راستے جدا ہیں کوئی گنگا کہلاتا ہے تو کوئی جمنا ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت کے دریا ہیں اس سینہ میں سے جو نہر امام ابوحنیفہ کے سینہ سے ہوتی ہوئی آئی اسے حنفی کہا گیا۔ جو امام مالک کے سینہ سے آئی وہ مذہب مالکی کہلایا، پانی سب کا ایک ہے مگر نام جداگانہ سب کی منزل ایک ہے مگر راستہ الگ الگ ہیں۔

غیر مقلدین کا یہ اعتراض بھی ہے کہ آج جب کہ ہمارے پاس قرآن و حدیث ہیں تو رہبری کی کیا ضرورت ہے۔ بیشک قرآن و حدیث رہبری کے لئے کافی ہیں مگران سے مسائل نکالنے کی قابلیت ہونا چاہئے، سمندر میں موتی ہیں مگران کو نکالنے کے لئے غوطہ خور کی ضرورت ہے طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے مگر ہم کو حکیم کے پاس جانا اور اس سے نسخہ کی تجویز کرانا ضروری ہے۔

ائمہ دین علمی سمندر کے غواص ہیں قران و حدیث روحانی دوائیں ہیں اور یہ ائمہ دین روحانی طبیب ہیں اللہ کے نیک بندے ہیں محبوب و مقبول بندے ہیں۔

آج دنیا میں کئی اختلافات ہیں تقلیدی جو اختلافات پیدا ہوئے ہیں اس کے کئی وجوہات ہونگے ان میں ایک وجہ یہ بھی ہوگی، آج بہت سارے ناسمجھ و نادان انسان اللہ کے نیک و مقبول بندوں کو اپنی ہی طرح سمجھ جاتے ہیں۔ جس طرح یرقان کے مارضہ میں مبتلا مریض کی نظر میں ہر شئی زرد اور پیلی نظر آتی ہے اسی طرح حقیر ماحوم میں گھرے ہوئے حقیر انسان کو ہر شئی حقیر ہی نظر آتی ہے۔

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا رہے ہو تم   وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ مکھی مکھی میں بھی فرق ہوا کرتا ہے ایک تو شہد کی مکھی ہے جو پھولوں کے پاکیزہ خوشبودار اور شرین رس کی دلدادہ ہوتی ہے اسکے برخلاف ایک دوسری مکھی وہ ہوتی ہے جو صرف اور صرف غلاظت اور گندگی سے انست رکھتی ہے۔ جب ان چھوٹی سی مکھیوں میں اتنا فرق ہے تو ذرا سوچئے تمام مخلوق میں سب سے اعلیٰ و اشرف المخلوقات کا تاج پہنے ہوئے انسانوں میں کتنا فرق ہوگا۔ احادیث کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی تین قسم کے ہیں بعض بہائم جانور کے مانند ہیں جو صرف اکل و شرب خورد و خواب و شہوات میں مصروف ہیں بعض فرشتوں کے مانند ہیں جو تسبیح و تہلیل نماز و روزہ عبادت و ریاضت میں مشغول ہیں اور بعض مثل انبیاء کے ہیں جو خدا کے عشق و محبت رضا و تسلیم میں مصروف ہیں۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ بتانا مقصد ہے کہ یہ ائمہ دین عام انسانوں کی طرح نہیں ہیں۔ کیا ہماری آنکھوں میں وہ کمال

ہے کہ جب کوئی وضو کرے تو اسکے پانی کے قطروں کے ساتھ ان کے گناہوں کو دھلتے ہوئے دیکھے مگر امام ابو حنیفہ کی آنکھوں میں وہ کمال تھا کہ آپ کو وضو کرنے والوں کے گناہ نظر آتے تھے تو یہ ائمہ دین سب سے افضل واکمل ہیں اور اللہ کے خاص بندے ہیں۔

دنیا میں انسان کوئی بھی کام بغیر دوسرے کی پیروی کے نہیں کر سکتا ہر ہنر اور علم کے قواعد سب میں اسکے ماہرین کی پیروی کرنا ضروری ہے دین کا معاملہ تو دنیا سے کہیں مشکل ہے۔اس میں بھی اسکے ماہرین کی پیروی کرنا ضروری ہے اور بغیر پیروی وتقلید کے زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا　　دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

حضور کارم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سواد اعظم کی تقلید کرو امت مسلمہ کا سواد اعظم ائمہ اربعہ کے مقلدین ہیں۔اہل تقلید میں شامل رہنا اور ائمہ اربعہ کی تقلید کرنا ہی سلامتی کا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل سے ہم کو صحیح معنوں میں مقلد بنا دیں اور دنیا وآخرت کی فلاح وبہتری نصیب فرمائیں آمین بجاہ سید المرسلین۔

☆☆☆☆☆

اقبال کے تصور خودی کی عصری معنویت

ڈاکٹر سید سجاد حسین

پروفیسر وصدر شعبۂ عربی، فارسی واردو، مدراس یونی ورسٹی، چنئی

غالب کے بعد عالمی ادبیات میں اردو کے جس شاعر کو سب سے زیادہ شہرت ومقبولیت نصیب ہوئی وہ شاعرِ مشرق علامہ اقبال ہیں۔ اقبال نے اردو شاعری کے ذریعے عالم انسانیت کو جتنے نظریات، تصورات اور فلسفیانہ افکار وخیالات سے سرفراز کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اردو کے کسی شاعر کے یہاں شاید ہی اتنی وسعت فکری سے کام لیا گیا ہو۔ ولی اورنگ آبادی کو اردو شاعری کا باوا آدام کہا جاتا ہے لیکن ان کے یہاں فلسفیانہ افکار کم اور زندگی کے عشقیہ پہلو کی عکاسی زیادہ ملتی ہے۔ میرؔ کی عظمت کو سبھی شاعروں نے تسلیم کیا لیکن ان کے یہاں یاسیت وقنوطیت کا غلبہ نظر آتا ہے۔ غالب کی بڑائی ان کی جدت طرازی اور طرز بیان کی ندرت میں پوشیدہ ہے۔ حالؔی نے اسلامی تاریخ کو پیش کر کے قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی جبکہ علامہ اقبال نے زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے ایسی فکر انگیز اور زندہ جاوید شاعری کا نمونہ قوم کے سامنے پیش کیا جو ایک صدی گزر جانے کے بعد بھی اپنی عصری معنویت کو برقرار اور باقی رکھے ہوئے ہیں۔

اقبال کی شاعری کا اصل ماخذ ومصدر تو قرآن وحدیث ہیں لیکن اقبال نے مغربی مفکرین اور فلسفیوں نیز ان کے نظریات کا مطالعہ اس لئے ضروری سمجھا کہ ان کا موازنہ اسلامی افکار ونظریات کی روشنی میں کیا جاسکے۔ اقبال چونکہ چبائے ہوئے نوالے چبانے کے قائل نہیں تھے اس لئے انھیں ایک ایسے نظام ہائے فکر کی تلاش تھی جس سے قوم کی اصلاح وتربیت کا بیڑا اٹھایا جاسکے۔ اسی غرض کے تحت تصورِ مردِ مومن۔ تصور شاہین۔ تصور عقل وعشق۔ تصور قومیت۔ تصور بقاء وفنا۔ تصور زن۔ تصور فقر واستغنا۔ تصور زماں ومکاں۔ تصور تعلیم اور تصور خودی جیسے نظریات یعنی theories پیش کر کے علامہ اقبال نے قوم کے لئے نہ صرف ایک نسخہ کیمیا تجویز کیا بلکہ اسے حرکت وعمل کے موقف سے باخبر بھی کیا۔ اقبال کے ان نظریات میں سب سے زیادہ مرکزی حیثیت اور شرف قبولیت تصور خودی کو حاصل ہوئی کیونکہ بقول پروفیسر عبد المغنی اقبال کے جملہ تصورات ونظریات کا ماحصل اور نچوڑ تصور خودی ہے جس کے گرد ہی اقبال کے دیگر نظام ہائے فکر کے مختلف

اجزاء وعناصر گردش کرتے ہیں۔

اقبال کے فلسفہ خودی یا پیغام خودی کی تخلیق کا ایک خاص پس منظر ہے جس کی طرف میں آپ کی توجہ مرکوز کرنا چاہوں گا۔ قیام یوروپ کے زمانہ میں علامہ اقبال نے جب فلسفہ کا گہرا مطالعہ کیا تو انھیں اس بات کا اندازہ ہوا کہ افلاطونی فلسفہ کی موشگافیوں اور فارسی شاعری کی رنگینیوں نے اسلامی تہذیب اور اس کی قدروں کو اس قدر پامال کر دیا تھا کہ اس کے بعد سکون و بے عملی کو زندگی کا عین مقصد تصور کیا جانے لگا۔ افراد خودی اور خود داری کی صفات سے محروم ہونے لگے۔ یہ روگ آہستہ آہستہ پوری قوم کے رگ و پے میں سرایت کرتا چلا گیا۔ اردو ادب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ ایک تو فارسی شاعری کے اثرات اور پھر سلطنت مغلیہ کے زوال کے سبب مسلم قوم مجہولیت کی شکار ہو چکی تھی۔ اس مجہولیت کے خلاف جہاد کرنا اور ناتوانوں کی رگوں میں خوں اور عمل کی برقی لہر دوڑانا بے حد ضروری تھا۔ ہر چند کے اقبال سے پہلے اردو کے دو ممتاز شاعر حالؔی اور اکبرؔ اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو مرعوبی و مایوسی سے نجات دلانے اور ان میں خودداری اور خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کر چکے تھے لیکن بقول ڈاکٹر عابد حسین ان دونوں بزرگوں کی نظریات کی تہہ تک نہ پہنچ سکی۔ اس کے لئے اقبال کے فلسفیانہ نظریہ کی ضرورت تھی جسے تصور خودی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ خودداری اور قوت عمل سے محروم قوم کو اقبال نے پہلی بار تصور خودی کا احساس دلا کر ان کے اندر سعی و عمل کی تازہ قوت پیدا کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

اقبال کے نزدیک عرفان ذات، خود آگہی، ایمان و یقین کی گہرائی، جرأت و شجاعت، عزم و استقلال، ذوق تسخیر کائنات، حرکت و توانائی اور اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کا نام 'خودی' ہے۔ خودی کا اصل جوہر توحید ہے۔ تمام دنیا سے کٹ کر صرف اللہ پر یقین رکھنا، اس کے سوا کسی کے آگے نہ جھکنے کا نام 'خودی' ہے۔ چنانچہ اقبال کہتے ہیں

خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

جتنا کوئی شخص عقیدہ توحید میں راسخ ہوگا اتنا ہی وہ مضبوط اور باہمت ہوگا۔ اس کا توکل صرف خدا کی ذات پر ہوگا۔ وہ غیر اللہ سے بے نیاز اور بے خوف ہو کر زندگی بسر کرے گا۔ خودی تلوار کی مانند ہے جو اللہ کے سوا تمام معبودوں کو ختم کر دیتی ہے۔ اس تلوار کا جادو لا الہ الا اللہ ہے۔ اس کے ذریعے خودی کا جوہر آشکار ہوتا ہے۔

خودی کی حقیقت خدا پر کامل ایمان اور یقین سے ظاہر ہوتی ہے۔

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ

جو شخص خودی کی حقیقت کو پالیتا ہے دنیا کی تمام قوتیں اس کے سامنے مسخر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ خودی اللہ کی اطاعت سے مستحکم ہوتی ہے اور اللہ کی نافرمانیوں سے کمزور ہوتی ہے۔ جب کوئی بندہ خالص اللہ کا ہو کر رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا بن جاتا ہے۔ ایسا شخص دنیا کو اپنا مقصد نہیں سمجھتا بلکہ مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ خیال کرتا ہے۔ وہ جس طرف جاتا ہے تلوار کی طرح باطل کو کاٹتا چلا جاتا ہے۔ جو شخص دنیا کا غلام بن جاتا ہے اسے اس مرد خدا سے کوئی نسبت نہیں ہوتی جو خوددار ہوتا ہے اور دنیا کی مادی چیزوں کو ہیچ سمجھتا ہے۔ چنانچہ اقبال مرد خدا اور بندہ زمانہ کے درمیان فرق و امتیاز کرتے ہوئے اس طرح گویا ہوتے ہیں۔

جس بندۂ حق کی خودی ہوگئی بیدار
شمشیر کی مانند ہے بڑندہ وہ بڑاق
اس مرد خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو
تو بندۂ آفاق ہے وہ صاحب آفاق

غرض اقبال کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے مقام و مرتبہ کو نہیں پہچانتا وہ بادشاہ ہو کر بھی فقیر ہوتا ہے اور جو شخص اپنے مقام اور مرتبہ کو پہچان لیتا ہے وہ فقیر ہو کر بھی شہنشاہی کرتا ہے۔ اس کی مثال سلجوقی دور کے بادشاہ سنجر اور طغرل ہیں جنھوں نے بڑے طنطنے سے حکومت کی اور اپنے وقت کی بڑی بڑی فوجوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ ان خوددار بادشاہوں نے مسلمانوں کی عظمت اور شوکت کو بحال کیا اگر چہ شروع میں یہ نہ تو کسی بڑی حکومت کے مالک تھے اور نہ ہی ان کے پاس کوئی بڑی فوج تھی لیکن اللہ تعالی نے انھیں اسلام کے صحیح ادراک سے نوازا تھا ان کے سینے میں بیدار دل دھڑکتا تھا۔ ان کی نگاہ مرد مجاہد کی نگاہ تھی۔ بڑے حوصلے اور جرأت کے مالک تھے۔ غرض ان بادشاہوں کی طرح اگر کوئی شخص خودی اور خودداری کی صفات سے بہرور ہو جاتا ہے تو اس کے لئے ناممکنات بھی ممکنات میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ نہ اس کے سامنے دریا رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں اور نہ پہاڑ اس کے راستے کا پتھر بنتے ہیں۔ وہ خودی میں شرابور ہو کر بادشاہوں کی شان و شوکت کا مالک بن جاتا ہے۔ چنانچہ

اقبال کہتے ہیں

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجر وطغرل سے کم شکوہِ فقیر
خودی ہو زندہ تو دریائے بیکراں پایاب
خودی ہو زندہ تو کوہسار پرنیاں وحریر

اقبال کہتے ہیں کہ جس قوم کے جوانوں میں خودی کا جوہر پیدا ہو جاتا ہے وہ قوم مادی وسائل کے بغیر بھی کامیاب زندگی بسر کرتی ہے۔

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد
ناچیز جہان مہ وپروین ترے آگے
وہ عالم مجبور ہے تو عالم آزاد
شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پردم ہے اگر تُو تو نہیں خطرۂ افتاد

خودی کا تقاضا ہے کہ ہماری قوم کے نوجوان رنگینیوں میں الجھنے کے بجائے اس کائنات کو مسخر کرے جس طرح سمندر ساحل سے ملحق رہتے ہوئے بھی اپنے وجود کو برقرار رکھتا ہے اور کبھی مکمل طور پر خشکی میں تبدیل نہیں ہوتا۔ اسی طرح مرد مومن دنیا میں رہتے ہوئے اپنے وجود کو دنیا میں گم نہیں کرتا بلکہ اپنے تشخص کو ہر صورت میں قائم رکھتا ہے کیوں کہ وہ خود سمندر ہوتا ہے اور دنیا کا مال ومتاع اسے متاع حقیر نظر آتا ہے۔ لہذا اقبال کہتے ہیں

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
مقام رنگ و بو کا راز پا جا
برنگ بحر ساحل آشنا رہ
کف ساحل سے دامن کھینچتا جا

یہاں اقبال یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ مردمومن اپنی عزت وآبرو کو خودی کے ذریعے ہی برقرار رکھتا ہے۔ جولوگ خودی کا مقام پہچان لیتے ہیں وہ دنیا میں بادشاہی کرتے ہیں۔ دنیا و مافیہا سے بے نیازی ہی اصل بادشاہی ہے اور اس مقام تک وہی پہنچتا ہے جو خودی کا عرفان حاصل کر لیتا ہے۔ چنانچہ اقبال کہتے ہیں

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام بادشاہی
تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

اسی لئے اقبال کے نزدیک مسلمان کا مقصد رضائے الٰہی ہوتا ہے۔ اس کی ساری زندگی اسی مقصد کے حصول میں گزرتی ہے۔ رضائے الٰہی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ دین پر عمل کرنا اور پھر دنیا میں اسے عام کرنے کی جدوجہد کرنا ہے تاکہ یہ شام وسحر اور یہ کائنات خود بخود مردمومن کی مرضی کے مطابق سنور جاتے ہیں۔ اس مقصد کو روح کی غذا بنالینا ہی خودی کا عین تقاضا ہے اور یہی زندگی کا راز بھی۔ جب انسان اپنے آپ کو خودی کے مطلوبہ معیار کے مطابق ڈھال لیتا ہے تو اسے حیات جاودانی حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اقبال کہتے ہیں

خودی میں ڈوب غافل یہ سرِ زندگانی ہے
نکل کر حلقہ شام وسحر سے جاوداں ہو جا

اقبال کہتے ہیں کہ خودی کا حامل انساں فاقے برداشت کر لیتا ہے لیکن ایسی روٹی قبول نہیں کرتا جو اس کی زبان پر مہر لگادے۔ اسے کبھی منصب اور عہدے کی لالچ نہیں ہوتی اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں سے کئی ایک بزرگوں نے بادشاہوں کے ہاں بڑے بڑے منصب اور عہدے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے خوددارانہ رویے کی بنا پر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر لیں لیکن کوئی عہدہ قبول کرنا پسند نہ کیا۔ ایک مرد درویش کے متعلق مشہور ہے کہ ایک بادشاہ نے جب انھیں دربار میں طلب کیا تو انھوں نے کہہ دیا کہ مجھے تو بادشاہ سے کوئی کام نہیں اگر بادشاہ کو مجھ سے کوئی کام ہے تو وہ خود میرے پاس چلا آئے۔ یہ اخلاقی جرأت وہی درویش اور مردمومن کر سکتے ہیں جن کی خودی اور خودداری مستحکم

اورتو نا ہوتی ہے چنانچہ اقبال کہتے ہیں

غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی
شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ
حیات و موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود

اسلامی نقطہ نظر سے حلال طریقے سے مال حاصل کرنا منع نہیں ہے بلکہ حلال رزق کمانا عین عبادت ہے لیکن محض حصول رزق کو زندگی کا مقصد بنالینا مستحسن نہیں ہے کیونکہ مرد مومن کا نصب العین بہت بلند ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی اطاعت کے ذریعہ اس کی رضا حاصل کرتا ہے اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں آگے بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی مرضی اور خواہش باقی نہیں رہتی اور اللہ تعالی کی رضا اس کی رضا بن جاتی ہے۔ مرد خدا کی یہی وہ منزل ہے جسے اقبال صبر و رضا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جو رزق مومن کو حق بات کہنے سے باز رکھے یا اس کے صبر و رضا میں حائل ہو کر اس کی روحانی ترقی کے اعلیٰ مدارج طئے کرنے میں رکاوٹ ثابت ہو تو مومن ایسے رزق پر موت کو ترجیح دیتا ہے چنانچہ اقبال کہتے ہیں

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتا ہی

اقبال کہتے ہیں کہ دنیوی شان و شوکت کی خاطر کسی منصب اور عہدے کی تمنا کرنا اسلام میں جائز نہیں لیکن کوئی منصب یا عہدہ تمنا کئے بغیر حاصل ہو جائے اور مومن اسے ملک و ملت کی فلاح و بہبودی اور خدمت دین کے جذبے کے تحت قبول کرلے تو کوئی حرج نہیں بلکہ عین مقصود ہے۔ البتہ اس غرض کے لئے ایسے ذرائع اختیار کرنا جن سے بددیانتی، بے ایمانی اور دھاندلی کا ارتکاب کرنا پڑے تو مسلمان کبھی یہ گوارا نہیں کرتا کیونکہ ایسا کرنا خودی پر موت طاری کرنے کے مترادف ہے۔ لہذا اقبال کہتے ہیں

کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے

کوئی معمولی منصب تو کیا مومن ایسی سلطنت بھی قبول نہیں کرتا جسے حاصل کرنے کے لئے اسے اپنی

خودی کا سودا کرنا پڑے۔ وہ خون کا نذرانہ پیش کر کے اپنی دنیا آپ پیدا کرتا ہے اور اپنی خودی کو ہمیشہ سر بلند رکھتا ہے۔ چنانچہ اقبال کہتے ہیں

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ بادشاہی

کیونکہ بقول اقبال سوال کرنے اور مانگنے سے نہ صرف انسان کی عزت وآبرو پر حرف آتا ہے بلکہ اس کی خودی میں ضعف اور کمزوری بھی واقع ہوتی ہے۔

مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطاں سب گدا

غرض یہ ہے فلسفہ خودی کا لب لباب جسے اقبال نے دنیا کے سامنے ایک مفکر شاعر کی حیثیت سے پیش کیا اور جسے اقبال کا فلسفہ حیات یا پیغام خودی کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح کرتا چلوں کہ اقبال کا یہ پیغام صرف اور صرف ملت اسلامیہ کے لئے نہیں تھا بلکہ ان کا یہ پیغام اتنا ہمہ گیر و آفاقیت کا حامل ہے کہ جس کی بدولت اقبال عالم انسانیت کے شاعر تسلیم کئے جاتے ہیں اور ان کا یہ پیغام کیا مسلم اور کیا غیر مسلم بلکہ ساری انسانیت کو دعوت فکر و نظر دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

اردو ادب اور اسلام پسندی

ڈاکٹر قاضی حبیب احمد
استاذ، شعبۂ اردو، مدراس یونی ورسٹی۔

زبان قوم وملت کی شناخت ہوتی ہے کسی قوم کی تہذیب اور ثقافت کی بقا کی ذمہ داری اس قوم کی زبان کی ترقی اور افزائش پر موقوف ہوتی ہے برصغیر ہندو پاک میں مسلمانوں کی تہذیب اور ثقافت اور دو زبان کے ساتھ وابستہ ہے ہندوستان میں اور پاکستان میں بھی مختلف زبانیں بولنے والے مسلمان آباد ہیں لیکن بیشتر ہندوستانی مسلمانوں کی زبان اردو ہے اسی طرح بہت سارے ہندوؤں سکھوں، پارسیوں، عیسائیوں اور دیگر مذہب کے لوگوں نے بھی اردو کو اپنی مادری زبان بنایا ہے۔لیکن جس حیثیت سے مسلمانوں نے اردو زبان کو اپنا یا ہے اس کی نوعیت جدا گانہ ہے اردو کے ساتھ مسلمانوں کا جذباتی رشتہ ہے اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی بعض لوگ اس کا اظہار کرنے سے محض اس وجہ سے کتراتے ہیں کہ ایسا کہنے میں عصبیت ہے۔

اردو ادب کا ایک ادنی طالب علم ہونے کی حیثیت سے اس حقیقت کے انکشاف میں مجھے کوئی عار نہیں کہ برصغیر ہندو پاک میں اسلامی تحریکوں اور اسلامی لٹریچر کی نشر و اشاعت سے دانستہ یا نادانستہ طور پر اردو زبان کو زبردست فائدہ پہنچا ہے۔اس کا ایک منفی پہلو بھی ہے جسکی جانب اردو کے بہت سے ناقدین نے (جن میں مولانا وحید الدین سلیم وغیرہ شامل ہیں) اسکی طرف اشارہ کیا ہے، انہوں نے زور دیا تھا کہ اردو میں مذہب اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کا لٹریچر بھی شامل کیا جائے تا کہ غیر مسلموں کو اس زبان کے اپنانے میں غیریت معلوم نہ ہو لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ اردو اور ہندی کو ملا کر ہندوستان میں ایک عام زبان یعنی ''ہندوستانی'' بنانے کی تحریک چل رہی تھی۔اب جب کہ یہ تحریک نا کام بن چکی ہے ہندی اور اردو نے اپنے لئے الگ الگ راہیں منتخب کر لی ہیں تو ہمیں ابھی انہیں خطوط پر سوچتے رہنے کی کیا ضرورت!

زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا لیکن مذہب کی تو کوئی زبان ہوتی ہے۔زبان نہ ہو تو اس مذہب کا پرچار کیسے ہو؟ برصغیر ہندو پاک میں مسلمانوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت اور افہام وتفہیم کے لئے اردو زبان کا خاص طور پر انتخاب کیا ہے لیکن ان خطوط پر اردو کے ناقدین کیوں نہیں سوچتے؟ اردو زبان وادب کی تاریخ و ارتقاء کا ہمارے قلم کاروں نے بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا ہے۔کلیات سے لے کر جزئیات تک کوئی تفصیل

فروگذاشت نہیں کی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ برصغیر ہندوپاک میں اٹھنے والی اسلامی تحریکوں سے اردو زبان و ادب کو جوزبردست فائدہ پہنچا ہے اس کی جانب ہماری نظر نہیں جاتی۔تحریک آزادی، تقسیم وطن، ہجرت کے مسائل، فرقہ وارانہ فسادات غرض سیاسی، تاریخی سماجی اور معاشی مسائل کو لے کرلکھا گیا۔اسی طرح ایک اہم شعبہ مذہب بھی ہے۔اس پس منظر میں قلمکاروں کے لئے وافر تغذیہ فراہم ہوسکتا ہے۔لیکن ہمارے ادباء اور شعراء، ہمارے محققین، ناقدین اور مورخین مذہب سے یوں متوحش کیوں ہیں؟

ہرزبان میں مذہبی لٹریچر کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے سنسکرت، ہندی، تمل اور دیگر زبانوں کے لٹریچر اصنام واساطیر اور دیومالائی تذکروں سے بھرے پڑے ہیں۔انگریزی زبان میں بھی مذہبی لٹریچر کو خاص اہمیت ہی حاصل نہیں ہے بلکہ افسانوی ادب میں بھی لامحالہ مذہبی موضوعات استعمال کئے جاتے ہیں۔انگریزی میں مذہب پر ایک طرف طنز واستہزا ہے تو دوسری طرف ایسے ناول بھی موجود ہیں جن میں مذہبی افکار وخیالات پورے ادب و احترام سے پیش کئے گئے ہیں۔اسکا سبب یہ ہے کہ ان زبانوں کے ادیبوں نے عوام کے معتقدات، رجحانات اور خواہشوں کونظرانداز نہیں کیا۔بلکہ زمانہ کی ایک اہم قدر کی حیثیت سے مذہب کوادب کا موضوع بنایا۔جوادب زمانہ کی ترجمانی نہیں کرتا وہ بے معنی ہے۔مجھے یہاں بڑے افسوس کے ساتھ یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اردو ادب پر اکثر مذہب بےزاری کا رجحان غالب رہا۔ترقی پسندوں نے دقیانوسیت، رجعت پسندی اور مذہبی استحصال پر تنقید تک اپنے آپ کو محدود نہیں کیا بلکہ مذہب اور مذہب پسندی پر بھی رکیک حملے کئے۔مولوی، ملا، موذن، اور شرع پرست عموماً نشانۂ ملامت بنائے گئے اس میں کسی طرح کا استثنیٰ نہیں تھا اور یہ روایت بعد میں چل کر غیر ترقی پسند ادیبوں میں بھی چلتی رہی۔بے چارے مولوی اور ملا برابر اپنے کردہ اور ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتتے رہے۔عوام کے ہر طبقے کی طرح مولویوں میں بھی ریاکار ہوتے ہیں لیکن اس کی پاداش میں مولوی کے منصب ہی کو عبث بتانا ناانصافی ہے اور یہی ہمارے افسانہ نگاروں، ناول نگاروں، انشاء پردازوں اور نقادوں نے کیا۔ترقی پسندوں نے مولویوں کے خلاف اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے لیکن دیگر ادیبوں نے بھی بغیر تحقیق کے ان باتوں کوتسلیم کیا اور گمراہ ہوئے۔نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کا وہ طبقہ جو مذہب کی کم جانکاری رکھتا تھا مولویوں اور ملاؤں سے توحش محسوس کرنے لگا۔مولوی اور ملا پہلے ہی سے کمزور اور مظلوم ہوتے ہیں اب ان ادیبوں کے تازیانوں سے یہ اور زیادہ ظلم کا شکار ہور ہے ہیں۔ادیب انساں دوست ہوتا ہے۔وہ ہمیشہ کمزور اور مظلوم کا ساتھ دیتا ہے۔لیکن ہمارے ادیبوں کی ملاوؤں کے خلاف محاذ آرائی سے بہت

دکھ اور افسوس ہوتا ہے تنقید اگر صحت مند ہو تو اس کا ہر حال میں فائدہ ہوتا ہے لیکن اگر تنقید یک طرفہ، بد دیانتی اور ناانصافی پر مبنی ہے تو اس کی مذمت اور احتجاج لازمی ہے۔ بعض جانکار ادیبوں نے اعتدال اور میانہ روی سے مذہبی کرداروں اور نام نہاد مذہب کے ٹھیکے داروں پر تنقید کی ہے۔ اس کا ہم آج بھی استقبال کرتے ہیں۔ مثلاً ڈپٹی نذیر احمد اپنے ناول "ایامیٰ" میں اپنے خاص ظریفانہ انداز میں ریا کار مولویوں کی قلعی یوں کھولی ہے۔

> "جس طرح مرثیہ خوانوں کے ساتھ بسوریے لگے رہتے ہیں کہ ذاکر صاحب نے گنگنانا شروع کیا اور بسوریے لگے دھاڑیں مارنے اسی طرح واعظوں کے ساتھ بھی مجلس وعظ کے گرم کرنے کے لئے چند بنائے ہوئے مرید خاص ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب منبر پر تشریف رکھتے ہیں جیسے کوئی بادشاہ تخت سلطنت پر اور ان میں سے کوئی پنکھا جھل رہا ہے.... کبھی لال لال دیدے نکال کر بیچ بیچ میں موقع بے موقع سبحان اللہ بھی کہہ اٹھتا ہے۔ ایک کے پاس اگلدان ہے۔ دوسرے کی تحویل میں صراحی، تیسرے کی بغل میں (پہلے تو شبہ ہوا کہ کوئی کتاب ہوگی پھر معلوم ہوا کہ نہیں) حضرت کی نعلین ہیں اور چوتھا اور ہے جو پس پشت منبر کے قریب حضرت کی جریب اس شان سے لئے کھڑا ہے جیسے ہارون عصائے موسیٰ.........."

تنقید، نکتہ چینی اور طنز ادب میں اسی حد تک روا ہے جب تک وہ اعتدال کی میزان پر قائم رہے اور ناقد معاملے کی پوری جانکاری رکھتا ہو طنز کی تہہ میں ہمیں اگر سچائی، خلوص اور سنجیدگی نہ ملے تو وہ طنز بے کار ہے۔ سماج کے ناسور ادیب کو قلم اٹھانے پر مجبور کرتے ہیں وہ روشنائی کے بجائے اپنا خون جگر استعمال کرتا ہے تو وہ شہہ پارے قاری کے دل و دماغ پر ثبت ہو جاتے ہیں جب کہ مولویوں پر ہمارے ادبی نقادوں کی اکثر چوٹیں خلوص پر مبنی نہیں ہیں۔ اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مخاصمت کا جذبہ اس تنقید کے پیچھے کارفرما ہے۔ مولویوں کے طبقہ سے اگر ہمدردی ہوتی جیسا کہ ایک ادیب کو بنیادی طور پر انسان کے ساتھ ہونی چاہئے تو ان تیر و نشتر میں مذہب دشمنی کی سمیت شامل نہ ہوتی مولوی بھی آخر ایک انسان ہوتا ہے اور اسے اس نظر سے دیکھنے کی کوشش کیوں نہیں کی جاتی؟ آج بھی اگر ہمارے افسانہ نگار اور ناول نگار مولویوں کی مفلسی، کس مپرسی، بے چارگی، توحش اور بدحواسی کا سنجیدگی اور خلوص سے جائزہ لیں اور مذہب دشمنی سے بالاتر ہو کر سچائی کے ساتھ لکھیں تو وہ ناول اور افسانے تیار ہوں جو ہمارے فکشن کو چار چاند لگا دیں۔

ڈپٹی نذیر احمد نے ریا کار واعظ کا جو خاکہ اڑایا ہے اس کے پیچھے ان کے دل کا درد چھپا ہوا ہے اور یہ درد ہمیں اس طبقہ کی اصلاح کے لئے چیخ چیخ کر تقاضا کر رہا ہے۔ ان کا پیرایہ ظریفانہ بھی ہے اور اس پیشہ سے ان کی مکمل جانکاری کا بھی غماز ہے۔

اسلامی لٹریچر تیار کرنے والوں میں بے شمار صاحب طرز ادیب اور نثار پیدا ہوئے ہیں مثلاً مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالکلام آزاد، ظفر علی خاں، خواجہ حسن نظامی، مولانا عبدالسلام سندیلوی، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا ابوالاعلی مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عامر عثمانی، مولانا منظور نعمانی، سید صباح الدین عبدالرحمن، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ماہر القادری، مولانا وحید الدین خاں وغیرہ اسلامی قلمکاروں کی کہکشاں کے ستاروں کا شمار مشکل ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان میں سے ایک بھی نام اردو ادب کی تاریخ میں نمایاں نہیں ہے۔ حالانکہ اردو ادب کی تاریخ میں اسلامی لٹریچر اور علمائے دین کی ادبی خدمات کے زیر عنوان ایک بسیط و مفصل باب کا اضافہ ہوسکتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اردو زبان کی نثری اسلوبیات کا خانہ ان علمائے کرام کے تذکرے کے بغیر مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔

اردو ادب میں دیگر زبانوں کے ادب کی طرح اسلامی ادبیات کے عنوان سے ایک الگ صنف قائم کرنی چاہئے۔ مذہب کو شجر ممنوعہ سمجھ کر اس پر چوٹیں کرنے کے بجائے عوام کی اس مقبول ترین قدر کو ادبی قدر بنانا چاہئے جس طرح ہم دنیا کے دیگر ازموں اور تحریکوں کے نظریات کو فراخ دلی سے اپنی تخلیقات کا حصہ بناتے ہیں اسی طرح اسلامی نظریات کا بھی خندہ پیشانی سے استقبال کریں اردو زبان و ادب کے ظرف میں بہت وسعت ہے۔ اسلامیات اور دیگر مذہبی لٹریچر کی اردو ادب میں بڑی اچھی کھپت ہوسکتی ہے اس سے ہمارا ادب تازہ اور توانا بنے گا زبان و ادب سے عوام کی دلچسپی میں جو زبردست کمی آرہی ہے یہ کمی بھی دور ہوجائے گی کیونکہ آج مذہبی نظریات سے عوام کی دلچسپی بڑھ رہی ہے مذہب بے زاری کے جو بادل کمیونسٹوں کے گمراہ کن پروپگنڈہ سے عوام کے ذہنوں پر چھارہے تھے وہ اب چھٹنے لگے ہیں اور اردو ادب کو بھی زنجیروں سے چھٹکارا حاصل کرلینا چاہیے۔ ہماری شاعری ہو یا ہماری نثر فکشن ہو یا انشائیہ جہاں عالمی نظریات، رجحانات اور کرداروں سے بھرپور ہیں اسلامیات سے بھی آشنا ہوسکتے ہیں۔

یہ چند معروضات جو شدید بھی ہیں اور کسی قدر تلخ مگر سچائی پر مبنی ہیں میں نے پیش کردیئے ہیں۔ ایک فرد کے ذہن کی اختراع حرف آخر نہیں ہوتی اس پر مزید غور و فکر سے ایک مثبت اور واضح خیال کی تشکیل ممکن ہوسکے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدِ بے حد

از: علامہ آمرکلیمی شاہ نوری

جدھر بھی ہے نظر ڈالی ادھر تصویر ہے تیری
کہیں تعریف ہے تیری کہیں توقیر ہے تیری

ہٹا نظروں سے جب عالم تصور میں جگہ لے لی
یہاں تصویر ہے تیری وہاں تنویر ہے تیری

جہاں بھی کچھ کھٹک پائی صدا آئی تو یہ آئی
ہر ایک آواز میں شاہا کھلی تقریر ہے تیری

ہوا جو کچھ جہاں میں اور جو ہوگا وہ مقدر ہے
اسی کو قدر کہتے ہیں یہی تقدیر ہے تیری

کہیں شاہی تری دیکھی کہیں ہے سلطنت تیری
کہیں تمحید ہے تیری کہیں تکفیر ہے تیری

محمدؐ نورِ مطلق ہے ظہورِ حق کا مظہر ہے
دریں آئینۂ احمد، احد! تصویر ہے تیری

پتہ اسکا یہی آمر جہاں تو ہے وہاں وہ ہے
کہ تُونے ہے، نوا اسکی، یہی تفسیر ہے تیری

....

دارالعلوم لطیفیہ ویلور میں صحافت وانشا پردازی

ڈاکٹر امان اللہ۔ایم. بی.
لکچرار، شعبہ عربی، فارسی و اردو،
مدراس یونی ورسٹی

دارالعلوم لطیفیہ میں جو جنوب بعید کا سب سے بڑا اور قدیم علمی، دینی اور اصلاحی مرکز اور بابرکت مخزن رہا ہے۔تصنیف وتالیف کی روایت ابتداء سے قائم ہے۔جذبۂ اصلاح وتربیت نے یہاں کے بزرگوں کو قلم اٹھانے پر آمادہ کیا۔ان بزرگوں نے اسلامیات کے موضوع پر معرکۃ الآراء کتابیں تصنیف کیں۔اصلاح و تربیت کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین کے جدید ترین اور موثر کن شعبہ نشر و اشاعت کا بھی اہتمام کیا گیا۔دینی موضوعات پر دارالعلوم لطیفیہ سے بکثرت تصانیف شائع ہوئی ہیں جن کا اسلوب عام فہم اور سلیس ہے۔فکر اصلاح اور جذبۂ خلوص کے سبب ان تحریروں میں ایک چاشنی اور کیفیت ضرور پائی جاتی ہے مگر ادب و انشاء کی گہرائیوں کی یہاں تلاش بے سود ہے۔

اردو بان کی تاریخ کے ابتدائی نقوش میں بھی ہمیں سوائے صوفیانہ کلام اور صوفیانہ نثر کے اور کچھ دستیاب نہیں ہے۔ان صوفیائے کرام نے اردو زبان اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے بطور وسیلہ استعمال کی ہے۔یہی حال دارالعلوم لطیفیہ کے بزرگوں کی مذہبی تصانیف کا بھی ہے۔لیکن ایک خوبی یہ رہی ہے کہ یہ سارے بزرگ شعر وآہنگ سے بھی متصف رہے ہیں۔ان کا عارفانہ،نعتیہ اور حمدیہ کلام الگ سے شائع بھی ہوا ہے۔ادب کے اس علاقے سے اقطاب ویلور کی تصانیف میں ادبی چاشنی بھی شامل ہوگئی ہے۔

اقطابِ ویلورؒ کی یہ شروع سے خصوصیت رہی ہے کہ زہد وقناعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے علوم ظاہری و باطنی کی نشر واشاعت، تربیت واصلاح اور علمی شغف وانہماک کے دائرہ کار میں یکسو ہونے کے باوجود عصری تقاضوں اور عصری رجحانات سے بے خبر نہیں رہے۔اسلام دشمن عناصر کی سازشوں اور ملت اسلامیہ پر ہونے والے ہر بیرونی حملے چاہے وہ تہذیب وتمدن کی راہ سے ہو یا عصری علوم اور نظریات کے راستے سے ہو ہر دور میں با

خبر اور ہوشیار رہے ہیں اور قوم و ملت کی حفاظت کے لئے اپنی بصیرت اور فہم و فراست کی روشنی میں ضروری اقدامات بھی فرماتے رہے ہیں۔ سالنامہ ''اللطیف'' کی اشاعت اسی صحافتی ضرورت کا پیش خیمہ ہے۔

سالنامہ ''اللطیف'' جو دارالعلوم لطیفیہ کا ترجمان رسالہ ہے ۱۹۶۰ء میں جاری ہوا۔ اس کے سرپرست حضرت مولانا سید شاہ محمد باقر صاحب قادری تھے۔ ادارت کے عملے میں حضرت مولانا سید شاہ محمد طاہر قادری صاحب ناظم دارالعلوم لطیفیہ، مولانا محمد طیب الدین اشرفی مونگیری اور مولانا سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی شامل تھے۔ ادارتی عملے میں وقتاً فوقتاً ردوبدل ہوتا رہا ہے۔ مولانا طیب الدین اشرفی ۱۹۶۷ء میں الگ ہوئے تھے۔ مولوی عبدالواحد جونپوری ان کی جگہ پر لائے گئے۔ لیکن عملے میں طلباء کے نمائندوں کے لئے بھی جگہ مخصوص ہوتی تھی۔ اور ان کے نام نمایاں طور پر سرورق ہی میں دئے جاتے تھے۔ ابتداء کے شماروں میں سوائے دینی، اصلاحی، عرفانی اور تصوف و سلوک سے متعلقہ مضامین کے اس سالنامے میں کوئی ادبی مضمون شائع نہیں ہوتا تھا۔ اس رسالے سے ادارہ کا مقصد طلباء میں مضمون نگاری اور انشاپردازی کی صلاحیتیں پیدا کرنا تھا اور دارالعلوم کے اساتذہ اور اقطابِ ویلور کے علمی و عرفانی سرمایے کو عوام تک پہنچانا تھا۔ اس مقصد میں اس سالنامے کو بھرپور کامیابی حاصل ہوئی۔ کسی اور ذریعے سے یہ علمی سرمایہ عوام تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ لیکن بعد میں اللطیف کے دروازے ادبی اور تحقیقی مضامین کے لئے بھی کھول دئے گئے۔ البتہ نعتیں اور حمد و مناجات شروع ہی سے اللطیف کا حصہ رہی ہیں۔ ایک آدھ غزل بھی اگر وہ عشق حقیقی کے رنگ میں ہو تو شامل اشاعت ہو جاتی تھی۔ حضرت قربیؔ ویلوری کی ایک غزل ۱۹۶۳ء کے اللطیف میں شامل ہوئی ہے ملاحظہ ہو:

خلق میں دوست عیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
پردہ پوش اس کا گماں تھا مجھے معلوم نہ تھا

پیو ہور جیو ہور ایک گماں جانی سوں
یو گماں آفت جاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

بے نشاں سوں نشاں مند کیا تھا اس کوں
عشق بے نام و نشاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

عمر اور اق پھرانے میں گنوایا ساری

علم نکتے میں بیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
زلف ہٹنے میں دِسیا مہ کا نور خسارہ
شب میں خورشید نہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
گل و گلزار کا گلگشت عبث تھا قربی
مکہ دلبر کا بجان تھا مجھے معلوم نہ تھا

۱۹۹۷ء کے شمارہ میں مولانا محمد یوسف کوکن مرحوم کا ایک مضمون ''نجیب نامہ'' موجود ہے۔ جس میں حضرت ذوقی کی مثنوی ''نجیب نامہ'' پر علمی و تحقیقی تبصرہ کیا گیا ہے اور اس شمارہ سے اللطیف کا رنگ خالص علمی اور عرفانی کے ساتھ ساتھ ادبی اور معلوماتی بھی ہونے لگا۔ اس میں طبی مضامین مولانا حکیم زکی الدین احمد اور مولانا حکیم قاری سید افسر باشاہ صاحب کے بھی شامل اشاعت ہیں۔ بعض اساتذہ وطلباء کے تاریخ وسیرت سے متعلق مضامین مثلاً بغاوت کی ہلاکت خیزیاں، تاریخ اسلام کا ایک زرین باب، معارف جامی، حضرت بلال کی جاں نثاری، سیرت حضرت عثمان غنی پر ایک اجمالی نظر، تاریخی معلومات، حضرت سلمان فارسی پر ایک طائرانہ نظر اور سیرت امام شافعی شامل اشاعت ہیں۔ یہ سارے مضامین انشاء پردازی کے اچھے نمونے بھی ہیں اور معلومات سے بھر پور بھی ہیں۔

اس طرح رفتہ رفتہ ''اللطیف'' کا متنوع مزاج سامنے آیا اور بجائے ایک ہی موضوع کے مختلف موضوعات پر مضامین شائع ہونے لگے جن میں ادب وانشا کی چاشنی بھی شامل ہونے لگی۔ ۱۹۶۷ء ہی کے شمارہ میں پروفیسر جلال کڑپوی مرحوم کی نظم ''نظمِ دلکشا'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس کا ایک بند ملاحظہ ہو:

اے مخزن علوم حقیقی لطیفیہ
اے درس گاہِ قربی و ذوقی لطیفیہ

دارالعلوم آگہہ نامی لطیفیہ — دانش گہہ مشائخ و صوفی لطیفیہ
قطبِ دکن کی کانِ تصوف لطیفیہ — حضرت مکاں کی بزم تلطف لطیفیہ
لہرا رہا ہے سارے دکن میں علم ترا — ہے اب وجود سب کے لئے مغتنم لطیفیہ

لطیفیہ   ہر ایک جامِ غیرتِ صد جامِ جم ترا   جاری کئے برس سے ہے بحر کرم ترا

''اللطیف'' کی کشادہ ظرفی سے ہر مسلک ونظریہ کے حامل افراد اس میں اپنے لئے عافیت اور سلامتی محسوس کرتے تھے۔ صوفیانہ وسیع المشربی کی اعلیٰ مثال خانقاہ حضرت مکان اور اس کا یہ ترجمان رسالہ بھی ہے۔

۱۹۶۹ء کا شمارہ ''اللطیف'' کا خاص نمبر تھا۔ مولانا محمد یوسف کوکن عمری نے حضرت قطب ویلورؒ کے علمی مرتبہ کو اجاگر کرتے ہوئے ایک بسیط مضمون شائع کیا ہے۔ پروفیسر سید صفی اللہ نے ''جواہر السلوک'' کا تعارف ایک مضمون میں پیش کیا ہے۔ چونکہ یہ شمارہ حضرت قطب ویلور کے انتقال پر سو سال بیت جانے پر بطور یادگار شائع کیا گیا تھا تو اس شمارہ کے اکثر مضامین حضرت قطب ویلور کے متعلق ہی درج ہیں۔ اسی شمارہ میں امام اعظم کی شخصیت پر مولانا بشیر الحق قریشی کا مضمون شائع ہوا ہے غالباً یہ آپ کا پہلا مضمون تھا جو اس وقت طالب علمی کے دور سے گذر رہے تھے۔ اس شمارہ کی ادارت مولوی سید مصطفےٰ حسین بخاری کشفی کے ہاتھوں رہی۔

۱۹۷۰ء کے سالنامے میں ''دارالعلوم لطیفیہ کی علمی و ادبی خدمات'' کے عنوان سے مولانا محمد یوسف کوکن عمری کا مضمون شایع ہوا ہے۔ یہاں اس مضمون کا ایک اقتباس بے محل نہ ہوگا:

> ''۔۔۔۔حضرت قربیؔ علیہ الرحمہ اسی طرز تعلیم کے فیض یافتہ تھے۔ عربی اور فارسی کے بہت اچھے ادیب تھے۔ فارسی شاعری اور اس کے محاوروں پر ان کی بڑی گہری نظر تھی۔ مسلماتِ شاعری کو سمجھنے اور سمجھانے کا بڑا ملکہ حاصل تھا۔ ان کے پاس پڑھنے والوں کو بڑی دلی مسرت ہوتی تھی اور ایک طرح کا غیر معمولی انبساط ہو جاتا تھا۔ اور جب کسی کو اس کا موقعہ نہیں ملتا تو طلبہ کو دلی رنج ہوتا تھا۔ مولانا باقر آگاہؔ ویلوری ان سے پڑھنا چاہتے تھے۔ اپنے چچا مولوی محمد حبیب اللہ سے اس کا ذکر کیا۔ انھوں نے حضرت قربیؔ سے گفتگو کی۔ حضرت قربی نے فرمایا مدت سے میں نے اس کو دیکھا نہیں ہے میرے پاس کچھ دنوں ''شرف نامہ'' پڑھ لے تو شاید اچھی قابلیت پیدا ہو جائے۔ ان کا طریقہ تدریس بہت دلنشین ہوتا تھا۔ ایک دو سبق ہی پڑھے تھے کہ قربیؔ کو آرکاٹ سے ویلور چلا جانا پڑا۔ مولوی حبیب اللہ نے اپنے بھتیجے سے کہا مجھ سے سبق لے لیا کرو۔ لیکن

حضرت قربی کی وہ بات کہاں پیدا ہوسکتی تھی آگاہ اپنے چچا کے سامنے سبق لینے بیٹھے تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور زار و قطار رونا شروع کردیا۔ پھر بعد میں ان کے ساتھ ایک سال رہنے کا موقع ملا تو ان سے بہت فائدہ اٹھایا۔ جس کا انہوں نے اپنی ہر ایک کتاب میں اعتراف کیا ہے۔" [1]

اسی شمارہ میں سید محمد اللہ بختیاری کا داغ دہلوی پر ایک مضمون شامل ہے اور اس کی اگلی اشاعت یعنی ۱۹۷۱ء میں مولانا موصوف کا ایک مضمون بعنوان "اقبال و غالب کا تقابلی مطالعہ" بھی شائع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی ایک غزل بھی چھپی ہے۔ ۱۹۷۲ء میں ان کا ایک مضمون "اردو کے پہلے نثر نگار" شائع ہوا ہے۔ اسی شمارہ میں مولوی مصطفےٰ کمال پاشاہ کا مضمون "علامہ اقبال اور سفر میسور" شائع ہوا ہے۔ ۱۹۷۳ء کی اشاعت میں مولانا بشیر الحق قریشی کا مضمون "صوفیائے کرام اور اردو" قابلِ ذکر ہے۔

مولانا سید شاہ محمد طاہر قادریؒ سابق ناظم، دارالعلوم لطیفیہ ایک عالم دین و شیخ طریقت ہی نہیں تحریر و انشا پردازی کا ستھرا ذوق بھی رکھتے تھے۔ آپ کے مضامین بھی وقتاً فوقتاً اللطیف کی زینت بنتے رہے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۷۵ء کے سالنامے میں "عقل و دانش اور علم و حکمت کے شاہکار" کے عنوان سے آپ کا مضمون شائع ہوا ہے۔

"امام ربیعۃ الرائے کے والد فروخ، بنی امیہ کے دور حکومت میں فوج میں ملازم تھے۔ جس وقت امام ممدوح اپنی والدہ کے بطن میں تھے اس وقت خراسان کو خلیفہ دمشق کی جانب سے ایک لشکر روانہ کیا گیا۔ فروخ کی خدمات اس لشکر کے سپرد کی گئیں۔ وہ دور اسلامی فتوحات کا دور تھا۔ اسلامی فرمانروائے وقت کی یہی خواہش تھی کہ بحر و بر کا زیادہ تر حصہ اسلامی پرچم کے نیچے لایا جائے۔ فروخ کو اس خراسانی مہم میں ستائیس برس گذر گئے جس بچہ کو وہ ان کی والدہ کے بطن میں چھوڑ گئے تھے وہ بچہ اب بڑا ہو کر ایک جید عالم اور وقت کا امام بن چکا تھا۔" [2]

"اللطیف" کے قلم کاروں میں ایک معتبر نام پروفیسر ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی کا بھی ہے۔ آپ ایک

صاحب طرز ادیب اور صاحب طریقت قلم کار ہیں۔ ۱۹۷۹ء کے سالنامے میں آپ کا ایک مضمون ''حضرت منصور بن حلاج۔ ایک فرانسیسی مستشرق کی نظر میں'' شائع ہوا ہے اور اسی اشاعت میں ڈاکٹر افضل الدین اقبال مرحوم سابق پروفیسر عثمانیہ یونی ورسٹی، حیدر آباد کا ایک مضمون ''حضرت محوؔی قدس سرہٗ۔ حیات اور خدمات'' کے عنوان سے چھپا ہے۔ ڈاکٹر سید وحید اشرف نے حضرت ذوقیؔ کے فارسی قصیدہ ''لولولالا'' کا اردو ترجمہ ۱۹۸۵ء کے ''اللطیف'' میں شائع کیا ہے۔ اس مضمون کے آخر میں حواشی و فرہنگ بھی دی گئی ہے جو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ترجمہ بین السطور درج کیا گیا ہے۔ ۱۹۸۷ء کے سالنامے میں پروفیسر موصوف کا ایک مضمون ''تصوف اور سائنس'' شائع ہوا ہے اور اسی شمارے میں ''قصائد حضرت ذوقیؔ'' جو فارسی میں ہیں ان کا اردو ترجمہ بھی مع حواشی کے شائع ہوا ہے جو پروفیسر سید وحید اشرف کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہے۔ یہ ترجمہ لگاتار سات سال تک سات سالناموں میں شائع ہوا ہے۔

اللطیف میں شائع ہونے والے بعض دیگر اہم علمی و ادبی یا تحقیقی مضامین حسب ذیل ہیں۔

۱۔نورِ مجسم ۔ از: پروفیسر سید وحید اشرف (۱۹۹۱ء)، ۲۔قاضی بدرالدولہ ۔ از: ڈاکٹر سید صفی اللہ (۱۹۹۲ء)۔۳۔مولانا عبدالحئی احقر بنگلوری ۔از: علیم صباؔ نویدی (۱۹۹۳ء)۔۴۔قاضی بدرالدولہ۔از: ڈاکٹر سید سجاد حسین (۱۹۹۳ء)۔۵۔محدث دکن ۔از: ڈاکٹر محمد مصطفےٰ شریف (۱۹۹۳ء)۔ ۶۔خطیب قادر باشاہ۔از: پروفیسر جلال عرفان (۱۹۹۴ء)۔۷۔آرکاٹ کا دبستان شعر و ادب۔از: ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال (۱۹۹۹ء)۔۸۔وشارم میں اردو کا پس منظر۔از: ڈاکٹر جاویدہ حبیب (۱۹۹۹ء)۔

''اللطیف'' کے لئے لگاتار لکھنے والوں میں پروفیسر وحید اشرف کے علاوہ ڈاکٹر مولوی بشیر الحق قریشی اور مولانا حکیم سید افسر باشاہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان تینوں حضرات گرامی نے نہ صرف یہ کہ اپنے گراں قدر مضامین سے ''اللطیف'' کے صفحات کو زینت بخشی ہے بلکہ اقطاب ویلور کی کئی فارسی تصانیف کو بھی اردو کا جامہ پہنایا ہے اور یہ ترجمے گذشتہ بیس برس سے لگاتار ''اللطیف'' میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ''اللطیف'' کے لئے ان حضرات کی خدمات گرامی سے انکار نہیں ہوسکتا۔

''اللطیف'' میں مختلف شعرائے کرام کی نعتیں، حمد ومناجات، رباعیات، نظمیں اور غزلیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ۱۹۹۲ء کے سالنامے میں کاوش بدری کی ایک نعت چھپی ہے اس کے چار شعر ملاحظہ ہوں:

کعبے کا کعبہ صنم خانہ محمد کے بغیر
سب کتابیں ہیں اک فسانہ محمد کے بغیر
اک تصور ہے فقط عین عبادت ان کا
سجدے بن جاتے ہیں بچکانہ محمد کے بغیر
حق تعارف کا ادا آپ نے کیا خوب کیا
ورنہ مولا بھی تھا انجانا محمد کے بغیر
متصف نور سے خود ذات نہ ہونے پائی
رنگ سے نقش تھا بیگانہ محمد کے بغیر

اسی اشاعت میں علیم صبا نویدی کی ایک نظم ''دارالعلوم لطیفیہ'' بھی شائع ہوئی ہے جو عمدہ خیالی کا نمونہ ہے۔ غرض تمل ناڈو کے کسی مدرسے یا جامعہ یا کالج کے سالنامے میں ''اللطیف'' کا قد سب سے اونچا ہے نہ صرف قدامت کے لحاظ سے بلکہ معیار اور افادہ کے لحاظ سے بھی سالنامہ ''اللطیف'' بلند اور بہتر ہے۔

000

حوالہ جات:

۱۔ سالنامہ ''اللطیف'' ۱۹۷۰ء ص۔نمبر۔۱۲۹۔

۲۔ ''عقل ودانش اور علم وحکمت کے شاہکار '' از مولانا سید شاہ محمد طاہر قادریؒ۔
سالنامہ 'اللطیف' ۱۹۷۵ء۔

☆☆☆☆☆☆

مقامِ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ احادیث کی روشنی میں

از محمد شفاعت احمد سلیم، یم، اے، بی ایڈ۔
نیلور، آندھرا

مولائے کائنات مولا علی مشکل کشا، شیر خدا، حیدر کرار، فاتح خیبر اسداللہ الغالب، مظہر العجائب والغرائب، امام المشارق والمغارب امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ عنہ کے چند مناقب و فضائل کی ایک چھوٹی سی جھلک احادیث مبارکہ کی روشنی میں پیش کی جارہی ہے۔

مولودِ کعبہ

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے القاب میں سے ایک لقب مولود کعبہ بھی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ آپؓ کی ولادت باسعادت کعبہ اللہ میں ہوئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد طواف کعبہ میں مصروف تھیں، اس وقت آپ کو دردِ زہ شروع ہوا وہ سوچ رہی تھیں کہ یہاں کوئی پردہ نہیں اب کدھر جائیں، اچانک کعبہ اللہ کی دیوار پھٹ گئی اور غیب سے آواز آئی اے فاطمہؓ بنت اسد اندر آجاؤ، چنانچہ آپؓ اندر چلی گئیں اور پھر مولا کائنات حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت اندرونی خانہ کعبہ میں ہوئی (اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت بھی مسجد میں ہوئی۔

تائیدِ حق میں پہلی شہادت علیؓ کی ہے ۔۔۔ پیغمبری نبیؐ کی ولایت علیؓ کی ہے
مولد بھی محترم ہے ولد بھی ہے محترم ۔۔۔ کعبہ ہے اور جائے ولادت علیؓ کی ہے
مولودِ کعبہ کے لئے مشہد بھی خوب تھا ۔۔۔ مسجد میں اللہ اللہ شہادت علیؓ کی ہے

کعبہ سے ابتدا ہے تو مسجد پہ انتہا مرقوم دو حرم میں حکایت علیؓ کی ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پیدائش کی اطلاع سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے، ابھی تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو گود میں اٹھایا اور خود ہی نہلایا اور ساتھ ہی فرمایا کہ علیؓ کو پہلا غسل میں دے رہا ہوں اور کل آخری غسل مجھے علیؓ دے گا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک حضرت علیؓ کے منہ میں ڈال دی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آنکھیں کھول دیں، جوان ہونے کے بعد ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ تم نے میرے آنے سے پہلے آنکھیں کیوں نہ کھولیں تھیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، آقا ﷺ میری تمنا یہ تھی کہ آنکھ کُھلے تو میری نگاہ رخ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑے، (بخاری شریف: جلد اوّل ۵۲۵: مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷۹: ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۴: مشکوٰۃ شریف: ص ۵۶۳)

ایک ہی شجرہ سے

سرورکائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک ہی شجرہ ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میں اور علیؓ ایک ہی شجرے سے ہیں اور دوسرے لوگ متفرق شجرے سے (طبرانی)

حضرت ابوامامہ باہی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہ السلام کو مختلف شجروں سے پیدا کیا ہے اور مجھ کو اور علیؓ کو ایک شجرے سے بنایا ہے پس میں اس کی جڑ ہوں اور علیؓ اس کی شاخ ہے، فاطمہؓ اس کا پیوند ہیں حسنؓ اور حسینؓ اس کے پھل ہیں جس شخص نے اس کی شاخ کو پکڑا وہ نجات پائے گا اور جس نے اسے چھوڑ دیا وہ سرنگوں گر پڑا اور اگر کوئی بندہ ہزار برس صفا ومروہ کے درمیان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور پھر ہماری محبت حاصل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ناک کے بل آگ میں گرائے گا۔ (طبرانی)

حضرت ابوزبیر مکّی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے کہ ایک دفعہ جناب رسالت مآب ﷺ کوہ عرفات پر رونق افروز تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے سامنے سے آرہے تھے، آنحضرت ﷺ نے انہیں اشارہ سے پاس بُلایا، جب وہ پاس آئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے علی

اپنا پنجہ میرے پنجہ میں ڈال میں اور تو ایک شجرہ سے پیدا ہوئے ہیں، میں اصل ہوں اور تو اس کی فرع ہے حسنؓ اور حسینؓ اس کی شاخیں ہیں جس کسی نے اس کی شاخ کو پکڑا اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کیا، اے علیؓ اگر میری امت کے لوگ اس قدر روزے رکھیں کہ کمان کی طرح ٹیڑے ہو جائیں اور یہاں تک نمازیں پڑھیں کہ تار کی طرح باریک ہو جائیں پھر اگر تجھ سے بغض رکھیں تو اللہ تعالیٰ انہیں منہ کے بل دوزخ میں گرائے گا۔
(طبرانی، ابن عساکر)

فرمانِ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

''علیؓ مجھ سے ہے اور میں علیؓ سے ہوں''

''جسکا میں مولا ہوں علیؓ بھی اسکے مولا ہیں۔''

''جس نے علیؓ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔''

حضرت جشق بن جبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علیؓ سے ہوں''۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد)

عمران بن حصین کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''علیؓ مجھ سے اور میں علیؓ سے ہوں اور علیؓ ہر مومن کے دوست اور مددگار ہیں۔'' (ترمذی)

ابوسریحہ رضی اللہ عنہ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس کا میں صاحبِ مولان ہوں علیؓ بھی اس کے صاحبِ مولا ہیں (ترمذی، احمد، طبرانی)

براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غدیر خم میں قیام پذیر ہوئے، تو علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا کیا تم کو یہ معلوم ہے کہ مومنوں کے نزدیک میں ان کی جانوں سے زیادہ عزیز اور بہتر ہوں؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا میں مولانا ہوں علیؓ اس کے مولا ہیں، اے اللہ تو اس شخص کو دوست رکھ جو علیؓ کو دوست رکھے اور اس شخص کو اپنا دشمن خیال کر جو علیؓ سے دشمنی رکھے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے ملاقات کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اے ابوطالب کے فرزند! خوش رہو، آپ رضی اللہ عنہ صبح اور شام ہر مومن مرد اور عورت کے دوست اور محبوب ہو۔ (احمد)

ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماتھے کہ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ تشریف لائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے دونوں آنکھ بیچ میں بوسہ دیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت حاضر تھے عرض کئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اُن کو آپ ﷺ دوست رکھتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں چچا میں علیؓ کو بہت دوست رکھتا ہوں، میں نہیں جانتا کہ مجھ سے زیادہ اُن کو اور کوئی دوست رکھتا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کی اولاد کو اس کے پشت میں رکھا ہے مگر میری اولاد علی رضی اللہ عنہ کی پشت میں ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دعا فرمائی: الٰہی دوست رکھئے اس کو جو علیؓ کو دوست رکھتا ہے اور دشمن ہو جایئے اس کا جو علیؓ کا دشمن ہے۔

ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا جو مجھ کو دوست رکھتا ہے وہ ان دونوں کو دوست رکھے اور ان دونوں کے ماں اور باپ کو دوست رکھے تو کل قیامت کے روز فردوس اعلیٰ میں میرے ساتھ رہے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ ایندھن کو۔

جس طرح سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی محبت ایمان کی علامت ہے اسی طرح آپؓ سے بغض کفر کی علامت ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیؓ سے منافق محبت نہیں کرتا اور مومن علیؓ سے بغض وعداوت نہیں رکھتا۔ (ترمذی)

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے علیؓ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے علیؓ کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا (احمد)

فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

علیؓ میرے لئے ہارون علیہ السلام کے مانند ہے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ

وجہہ کی نسبت فرمایا کہ تُم میرے لئے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہاروں علیہ السلام تھے البتہ اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔(بخاری)

ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مہاجرین میں باہم بھائی چارہ کریا یعنی ایک صحابیؓ کو دوسرے صحابیؓ کا بھائی بناتو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کسی صحابی کے ساتھ نہ جوڑا بلکہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہیں اپنا بھائی بنایا اور فرمایا تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی اور وارث ہو۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم دیا اور دیگر صحابہ کو لیکر جنگ تبوک تشریف لے جانے لگے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ مجھے یہاں عورتوں اور بچوں پر اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑے جاتے ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہیں اس طرح چھوڑے جاتا ہوں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑا تھا، بس فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔(بخاری، مسلم)

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام آپس میں بھائی تھے اور دونوں اللہ کے نبی تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی تو تھے ہی پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں انصار و مہاجرین میں بھائی بندی کے وقت اور جنگ تبوک کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی زبان مبارک سے بھائی کہا اور اس بات کی بھی وضاحت فرمادی کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا ہے۔

جنت میں مولائے کائناتؓ سرورِ کائنات کے ساتھ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے اصحاب جنت کا ذکر کر رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہوں میرے بعد علی بن ابی طالب ہیں۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیال بنایا تھا اور تحقیق میرا محل جنت میں حضرت ابراہیم علیہ

السلام کے مقابل ہوگا اور علیؓ بن ابی طالب کا محل میرے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے محل کے درمیان ہوگا، پس مبارک ہے وہ حبیب جو دو خلیلوں کے درمیان ہوگا۔ (حاکمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیؓ جنت کے لوگوں پر اس طرح چمکے گا جس طرح صبح کا ستارہ دنیا کے لوگوں پر چمکتا ہے۔ (حاکم بیہقی)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ تیرے لئے جنت میں وہ چیز ہے کہ اگر تمام روئے زمین کے لوگوں پر تقسیم کی جائے تو بچ رہے (محب الطبری)

سب سے اول حوض پر

سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے فرمایا کہ یہ سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے اور سب سے پہلے مجھے سے حوض کوثر پر قیامت کے روز مصافحہ کرے گا۔ (طبرانی)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں حوض کوثر پر سب سے پہلے وارد ہونے والا وہ شخص ہے جو سب سے پہلے بچوں میں ایمان لانے والا ہے یعنی علیؓ بن ابی طالب ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقا اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیؓ بن ابی طالب قیامت کے روز میرے حوض کے صاحب ہوں گے، آسمان کے ستاروں کی تعداد کے موافق پیالے ہونگے اور میرے حوض کی وسعت جابیہ سے صفا تک ہوگی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خوبیوں میں سے نمایاں خوبی اور آپؓ کی خصوصیات میں نمایاں خصوصیت آپؓ کی شجاعت و بہادری ہے جنگ تبوک کے سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر جنگ میں سرکار دو عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ حصہ لیا اور ہزاروں کفار و مشرکین جہنم رسید کیا اور حیرت انگیز شجاعت کا مظاہرہ کیا۔

جنگ احد کے موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بہادری اور دلیری کو دیکھکر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا میں تم دونوں کا ہوں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ) اور میں نے اس وقت ایک آواز غیب سنی ہے کہ

''ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں علیؓ کے سوا کوئی بہادر اور مجاہد نہیں''

حضرت مولا علیؓ، شیر خدا، حیدر کردار کی بہادری اور شجاعت دیکھ کر میدانِ جنگ کا ایک ایک ذرّہ زبان حال سے پکار اٹھا۔

شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار

لافتی الاعلی ہ سیف الا ذوالفقار

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ بہادروں کے بادشاہ، خدا کے شیر اور قوت پروردگار ہیں، اُنکے سوا کوئی جوان نہیں اور ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں۔

لقب فتح خیبر کا سبب

خیبر کا قلعہ یہودی بادشاہ مرحب کا پایہ تخت تھا، اس قلعہ کو فتح کرنا آسان نہ تھا سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ اور پھر دوسری دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عنایت فرمایا ان حضرات سے وہ قلعہ فتح نہ ہوا، اس مہم میں بہت دیر ہوئی تو ایک دن سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائیگا وہ شخص اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دوست رکھتے ہیں۔ وہ رات صحابہ کرامؓ نے بڑی بے چینی میں کاٹی، ہر ایک کی تمنا بھی کہ جھنڈا اُنہیں عنایت ہو جائے، جب صبح ہوئی تو تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین بڑی امیدیں لئے ہوئے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے، سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: این علی بن ابی طالب، علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آشوب چشم میں مبتلا ہیں ان کی آنکھیں دکھتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا انہیں بلاؤ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دھن مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ

کی آنکھوں میں لگایا آنکھوں کی تکلیف فوراً دور ہوگئی، اور آنکھیں پہلے سے زیادہ روشن اور چمکدار ہوگئیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اس کے بعد پھر کبھی حضرت علی کو نہ تو گرمی کا احساس ہوا اور نہ ہی سردی کا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جھنڈا عنایت فرمایا۔

میدان جنگ میں مرحب بڑے گھمنڈ سے آیا لیکن شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک پہنچ گئی اور وہ زمین پر ڈھیر ہوگیا اس کے بعد فتح کا اعلان ہوگیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خیبر کا دروازہ اکھاڑا، اسلامی فوج قلعہ میں داخل ہوگئی، ابن عساکر نے ابی رافعؓ روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ خیبر میں قلعہ کا دروازہ اکھاڑ کر بہت دیر تک اپنے ہاتھوں پر رکھا اور اس سے ڈھال کا کام لیا، دائیں ہاتھ سے تلوار چلاتے رہے اور بائیں ہاتھ میں دروازہ لیکر ڈھال کی مانند استعمال فرماتے رہے، بعد میں دروازہ کو پھینک دیا، جنگ سے فراغت کے بعد (۸۰) اسی افراد نے ملکر اسے ہلانا چاہا لیکن وہ دروازہ نہ ہلا۔

بتوں کا توڑنا

فتح مکہ کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے مشرکین نے خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ (۳۶۰) بُت نصب کر رکھے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست پاک میں ایک لکڑی تھی آپ ﷺ جس بُت کی طرف اس لکڑی سے اشارہ فرماتے وہ اوندھے منہ زمین پر آگرتا۔ ایک بُت جو کہ تانبے کا بنا ہوا تھا اور لوہے کی موٹی سلاخ میں پیوست کر کے زمین پر نصب کیا گیا ہوا تھا اور بہت بلندی پر تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پائے اقدس میرے کندھوں پر رکھے اور اس بُت کو گرا دیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی تم نبوت کے بوجھ کو نہیں اُٹھا سکو گے تم اپنے پاؤں میرے کندھوں پر رکھو اور بُت کو گرا ڈالو، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ اقدس پر چڑھ کر بُت کو اُکھاڑ کر زمین پر گرا دیا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ اقدس پر چڑھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ خود کو کیسی جگہ پر محسوس کرتے ہو؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھ رہا ہوں کہ پردے اُٹھ گئے ہیں اور میرا سر عرش اعظم کے قریب پہنچ گیا ہے۔ آسمان کی ہر چیز کی طرف ہاتھ بڑھانا میرے لئے آسان ہے، حضور سرور کائنات صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ کیا ہی اچھا ہے تیرا یہ لحہ کہ حق کا کام کرتا ہے اور کیسا ہی اچھا میرا حال ہے کہ حق کا بوجھ اٹھاتا ہوں اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اے علی رضی اللہ عنہ تم نے اپنے مقصد کو پالیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب بت کو زمین پر گرانے کے بعد خود کو حضور ﷺ کے شانہ مبارک سے نیچے آئے تو مسکرائے حضور ﷺ نے مسکرانے کی وجہ دریافت فرمائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ جواب دیا کہ میں اس لئے مسکرایا ہوں کہ میں نے آپ کو اتنی بلند جگہ سے آیا اور مجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ! تجھے تکلیف کیسے پہنچ سکتی تھی کہ تجھے محمد ﷺ نے اُٹھایا اور جبرئیل علیہ السلام نے اُتارا، (بحوالہ، سیرت حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، محمد الیاس عادل)

بستر رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی ہجرت کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلا کر فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے لہٰذا میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا تم میرے بستر پر میری سبز رنگ کی چادر اوڑھ کر سو رہو تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی، قریش کی ساری امانتیں جو میرے پاس رکھی ہوئی ہیں انکے مالکوں کو دے کر تم بھی مدینہ چلے آنا جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر سونا نصیب ہوا جو کسی صحابی کو نہ میسر ہوا۔

ابن عساکر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں جو کچھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں نازل ہوا وہ اور کسی کی شان میں نازل نہیں ہوا اور آپؓ نے فرمایا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں تین سو (۳۰۰) آیات نازل ہوئی امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جتنی احادیث علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت میں وارد ہیں کسی اور صحابی کی فضیلت میں نہیں وارد ہوئیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھنا بھی ایک قسم کی عبادت ہے (طبرانی) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ وسلم نے فرمایا میں علم کا شہر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہے۔(مشکوٰۃ شریف، ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ

فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا تو سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ نے میرا نکاح کیسے شخص کے ساتھ کیا، اس پر حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے فاطمہؓ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت میں سے دو شخصوں کو پسند فرمایا ہے ایک تیرے باپ کو دوسرے تیرے شوہر کو، جو از روئے اسلام سب سے پہلے مسلمانوں میں ہے اور علم کے اعتبار سے ان سب میں دانا ترین ہے، تم میری امت کی عورتوں میں سے بہترین ہو جس طرح حضرت مریم سلام اللہ علیہا اپنی قوم میں تھیں۔ میں نے تمہارا نکاح اس کے ساتھ ہے جو دنیا میں نیک بخت اور آخرت میں صالحین میں سے ہے۔ (طبرانی)

اللہ تعالیٰ کے بعد حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اور مرتبہ ہے اور طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ و رضی اللہ عنہ کا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ منبر اقدس پر تشریف فرما ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان فرما رہے تھے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر مبارک آیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علیؓ کہاں ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے قریب آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں یہ کھڑا ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے نزدیک آؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ قریب تر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لگا کر دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمان اطہر سے آنسو بہہ رہے تھے پھر ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے معاشر مسلمانان! یہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں یہ مہاجر و انصار کے سردار ہیں، یہ میرے بھائی ہیں، یہ میرے چچا کے بیٹے ہیں، یہ میرے داماد ہیں، یہ میرا خون ہیں، میرا گوشت ہیں، یہ حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے باپ ہیں جوانان اہل بہشت کے باپ ہیں یہ وہ شخص ہے کہ جس نے میرے غم اپنے ذمہ لے لیتے تھے۔ یہ اللہ کا شیر ہیں، اللہ کی تلوار ہیں ان کے دشمنوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

یہ چند احادیث اور واقعات ہیں جن کی روشنی میں حضرت علیؓ کا ایک مخصوص اور منفرد مقام نمایاں ہو رہا ہے اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب مسلمانوں کے دلوں میں حضرت علیؓ اور ان کے خانوادہ کی محبت جاگزین فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین وصحبہ اجمعین۔

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

از: سید سراج الدین منیر حیدرآبادی

وہ ذاتِ محترم شاہ امم آئینہ یزداں
وہ اعجاز طلسم کن وہ نور جلوۂ پنہاں

وہ نور آگہی صد حاصل دل حاصل عرفاں
مُجرّد منتہی اکمل فروغ دیدۂ حیراں

محمدؐ مصطفیٰ صل علیٰ سرمایہ ایماں
مجسّم صورت قرآں مکمل سیرت یزداں

وہی نور مُجرّد جوہر تخلیق آدمؑ ہے
وہی نور مجسّم ہے بنائے عالم امکاں

مقام آدمیت آدمی نے آپؐ سے پایا
نگاہِ آدمی سے تھا مقام آدمی پنہاں

کسے سے جرأت انکار فیض مصطفائی سے
ہے ممنون کرم خورشید کا ہر ذرۂ تاباں

کرم شاہ اُمم ہم کو رہِ چشمان بصیرت پر
ہوئے ہم تارکِ قرآں اسیر گردش دوراں

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

از: سید سراج الدین منیر حیدرآبادی

وہ ذاتِ محترم شاہ امم آئینہ یزداں
وہ اعجاز طلسم کن وہ نور جلوۂ پنہاں

وہ نور آگہی صد حاصل دل حاصل عرفاں
مُجرّد منتہی اکمل فروغ دیدۂ حیراں

محمدؐ مصطفیٰ صل علیٰ سرمایہ ایماں
مجسّم صورت قرآں مکمل سیرت یزداں

وہی نور مُجرّد جوہر تخلیق آدمؑ ہے
وہی نور مجسّم ہے بنائے عالم امکاں

مقام آدمیت آدمی نے آپؐ سے پایا
نگاہِ آدمی سے تھا مقام آدمی پنہاں

کسے سے جرأت انکار فیض مصطفائی سے
ہے ممنون کرم خورشید کا ہر ذرۂ تاباں

کرم شاہ اُمم ہم کو رہِ چشمان بصیرت پر
ہوئے ہم تارکِ قرآں اسیر گردش دوراں

نہ پوچھو دل ہمارے آج محروم یقیں کیوں ہیں
نہ پوچھو ہم ہوئے کیوں کر اسیر دامنِ حرماں

نہ پوچھو پھر رہے ہیں کیوں جبین خون چکاں لیکر
نہ پوچھو کس طرح ہم چشم عالم میں ہوئے عریاں

نہ پوچھو زندہ ہیں پھر زندگی کو کیوں ترستے ہیں
نہ پوچھو خوف سے ہم موت کے ہوتے ہیں کیوں لرزاں

ہوئے ہیں پختہ تر خُوئے غلامی میں غلام ایسے
کہ زنجیر و سلاسل ہی بنے ہیں زیست کے ساماں

یہ سب سچ ہے مگر اے سیّد عالم تمھارے ہیں
اماں دیجئے خطاکاروں کو زیر سایۂ داماں

ضمیر مردہ میں جس آگ سے ہو زندگی پیدا
عطا قلب مسلماں کو ہو ایسی آتش سوزاں

کرم اے سیّد کُل تاجدار عالم ہستی
منیرؔ خستہ جاں تو آپ کی نسبت پہ ہے نازاں

پیشکش: سید علی احمد قادری کلیم، حیدرآباد

☆☆☆☆☆

شہر آدونی کے چند قدیم دکنی شعرائے کرام

از: ایس محمد یوسف شناسؔ

اسٹیشن مینیجر ساؤتھ سنٹرل ریلوے (موظف)

شاعر و ادیب، اردو، فارسی، ہندی

قاضی پورہ، ادونی

شہر آدونی مشرقی اور مغربی گھاٹیوں کے درمیان دکن کے مرکزی اتصال پہ واقع سنگلاخ پہاڑی ایک مضبوط قلعہ ہے۔ تقریباً دو ہزار سال سے قدیم حیثیت رکھتا ہے۔ کبھی یہ وجئے نگر سلطنت کا مضبوط ترین قلعہ تھا اور مسلم فاتحین کے لئے ان کے حوصلوں اور جذبات کا مرکز تھا۔ علاء الدین خلجی کا غلام ملک کافور نے اس مقام کو پار کر کے مدورائی کی سرحدوں تک پہونچا تو اس علاقۂ رائل سیما کے پروشوں نے ہری ہرا اور بکا رائے کے ذریعہ بارھویں صدی عیسوی میں سلطنت وجئے نگر کا قیام عمل میں لایا جس کا خاتمہ 1565ء میں تلی کوٹ کی جنگ سے ہوا اور چار بہمنی سلاطین کو فتح حاصل ہوئی۔ وجئے نگر یعنی ہمپی کے کھنڈرات اپنی اس شکست پر آج تک نوحہ کناں ہیں۔

محمد تغلق کے دلی سے دولت آباد اپنی راجدھانی منتقل کرنے کے بعد علاء الدین حسن گنگو نے شہر حسن آباد (گلبرگہ شریف) کی بنیاد ڈالی اور اسے اپنا دارالخلافہ بنایا اور چند سال کے بعد بہمنی سلطنت کا دارالخلافہ بیدر منتقل ہوا۔ شہنشاہ دکن سیدنا محمد محمد الحسینی گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ نے نود سال کی عمر شریف میں گلبرگہ شریف میں قدم رنجہ فرمایا اور اپنی تبلیغ دین فطرت سے نور حق کی شعاعوں کو پھیلایا۔ آپ نہ صرف شاعر تھے بلکہ اردو ودکنی نثر کے بانی بھی ہیں۔ ''معراج العاشقین'' زبان اردو کے لئے سب سے اولین نثری تحفہ بھی ہے۔ آپ کی ولایت کی کرنیں آدونی کو بھی منور کرنے لگیں۔ بہمی سلطنت کے زوال اور اسکے چار حصوں میں تقسیم ہونے کے بعد آدونی کبھی بہمی سلطنت کے حصہ عادل شاہی کے قلمدو میں شامل ہوا کبھی حیدرآباد کی آصف جاہی میں اور اسکے بعد حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی سلطنت خداداد میں شامل ہوا اور یہاں دکنی زبان فروغ پانے لگی۔

اس مختصر مضمون میں اس کمتر کی آنکھوں سے گزرے مواد پر مشتمل چند شعرائے قدیم جو علاقۂ آدونی کا احاطہ کرتے

ہیں قلم بند کررہا ہوں۔

(۱) سید شاہ طاہر قادری قدس سرہٗ العزیز

دکن کے مشہور قادری بزرگ سید شاہ عبداللطیف لا اُبالیؒ المحوی ہیں اور آپ کا شمار دکن کے سعید قادری اولیاء میں ہوتا۔ سید شاہ طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ لا اُبالیؒ کے چوتھے فرزند دلبر تھے۔ آپ کا وصال ۱۱۱۵ھ میں ستر سال کی عمر شریف میں ہوا آپ کا شمار علاقہ رائل سیما کے اولین شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ پیر کامل اور مخزن عرفاں کے گوہر یکتا تھے۔ آپ عربی فارسی ترکی زبانوں کے ماہر اور شعر و سخن کے گلشن کو ہر طرح کے گل و بوٹوں سے سجا دیا۔ فارسی میں ''کنز الفصائس''۔ ''خوان یعما'' ''لغات فرس'' وغیرہ اور دیگر شہہ پارے مختلف کتب خانوں اور میوزیمس کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ بہ مشکل دکنی زبان میں سید شاہ طاہر قادری کے سیدنا غوث الاعظم دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی منقبر پر مشتمل چند اشعار دستیاب ہوئے ہیں

منقبت بہ بارگاہِ سیدنا غوث الاعظم دستگیرؒ

کرنا کرم کی اک نظر یا غوث الاعظم دستگیرؒ
ہوئے فضل اس عاصی اُوپر یا غوث الاعظم دستگیرؒ

ہر دم تمہاری یاد میں دم مارتا ہوں دم بدم
نئیں شغل جز اس کے دگر یا غوث الاعظم دستگیرؒ

دنیا میں رکھوں سرخ رو دو دین میں دیدار حق
ہووے شفیع روز حشر یا غوث الاعظم دستگیرؒ

برکت سے اپنے نام کی دنیا میں بھی اور دین میں
ہونا مجھے سایہ چھتر یا غوث الاعظم دستگیرؒ

دل مرا دول کو میرے حاصل سہل کرنا سبھی
اے طاہر دانا بصر یا غوث الاعظم دستگیرؒ

آپ کا آستانہ مبارک ادونی کے شمال میں پہاڑوں کے درمیان خوبصورت وادی میں لاکھوں زائرین کی سال بھر آما

جگاہ ہے۔

(۲) سید شاہ عبد القادر عرف اور تخلص امنؔ شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

بہترین شاعر اور خطاط بھی تھے۔ آپ سید شاہ طاہر قادریؒ کے پوتے تھے۔ اور آپ کا سلسلہ سبزی منڈی حیدر آباد، بیدر وغیرہ پھیلا۔ آپ کا کلام چند دہے قبل نظر آتا تھا مگر اب حالات کی نذر ہو چکا ہے۔ آستانۂ عالیہ ادھونی کے قلب میں واقع ہے۔

(۳) حضرت قادر لنگبند رحمۃ اللہ علیہ

آپ موصع کوتالم علاقۂ آدونی میں آرام فرما ہیں۔ شہر ادھونی سے یہ موضع تقریباً پچیس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ آپکا آستانہ مبارک بلالحاظ و مذہب وملت لاکھوں زائرین کا مرکز ہے۔ آپ سیدنا شاہ امین الدین اعلیٰ ''شیر خدا'' بیجاپوری کے مرید خاص اور خلیفہ تھے۔ ولی کامل، مجذوب اور مشہور قلندروں میں آپ کا شمار ہے۔ بے شمار کرامات آپ سے مشہور ہیں۔ آپ نے کفر وظلمت کدہ میں اسلام کی شمعیں روشن فرمائی۔ آپ نے خطرناک جادوگروی اور شیاطین سے مقابلہ کیا۔ مشہور جادوگر کے سر کی چوٹی پکڑ کر جو پھینک دیا تو بہت دور بارہ کلومیٹر فاصلہ پر پڑا اور وہی جادوگر ''اُرکند وارینا'' کے نام سے مشہور ہے اور اس کا دیول اہل ہنود کی زیارت کا مرکز ہے۔

مگر لطف یہ ہے کہ آپ میں بھی شعر وسخن کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ اور آپ کا شمار بھی قدیم دکنی شعراء اور اردو زبان کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ آپ کے ادبی اثاثہ پر آپ ہی کے خاندان کے نوجوان سید معظم پاشاہ نے تحقیق کی اور مقالہ پر یم فل عطا ہوئی۔

حضرت قادر لنگبندؒ کے ''خاتون جنت'' چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

روایات کتا ہوں سنو اے عزیز
سنو دل کے کانوں سے تم با تمیز
پڑھو سو اُسے اور سنو سو اُسے
خدا اور نبی سے اجر لے اُسے

یو ہے معجزہ فاطمہؓ کا تمام
یو ہے سر بسر فاطمہؓ کا کلام
نہ کھانے کو روٹی نہ کپڑا نوا
رضا بن انوکی کیوں جاؤں کنا
اے قادؔر ثنا بول توں صبح و شام
شفاعت بحقِ نبی السلام
ہزاراں درورداں ہزارا سلام
بحق محمد علیہ السلام

اس مثنوی کو دکنی محققین نے ۱۱۰۰ھ سے پہلے کا مخطوط بتایا ہے۔ مثنوی ۲۰۳ اشعار پر مشتمل ہے۔

(۴) حضرت شاہ معظم

آپ حضرت قادر لنگبندؒ کے خاص مریدوں میں شامل تھے۔ آپ کی کئی دکنی مثنوی اور دیوان مشہور ہیں۔ ڈاکٹر حسینی شاہد نے انجمن ترقی اردو حیدرآباد سے شاہ معظم کے دکنی ادبی کارناموں پر مشتمل کتاب شائع کی ہے۔ چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

فنا فی اللہ اول تو و شاھد ہو باقی رہتا
نقاب کر میانے وصل ماہ منور کا
شہادت پانچ تن سو ہو بانچے تو کتے شہداء
لقب عشاق اس کا ہے وہ محرم راز دلبر کا

شاہ معظم اکثر کلام کے مقطع میں اپنا تخلص اور اپنے پیر قادرؒ کا نام بھی لیتے تھے۔

تمہیں عارف قدرداں کتے تمنا کون عارف
کتی ہے یو تمہارے سوں سنوجی کی کہانی میں

نویلا لال قادر شاہ سنگاتی سچ کا میرے
کیا ہے مجھ سوا اغیاری کسی کا پیار نہیں بھاتا

(۵) محمد خاکی رحمۃ اللہ علیہ

صاحب ''دیوان رنگین'' مع کلام ''توحید انجام'' مخطوطہ یہ مخطوطہ از خط سید حسین قادری عرف شاہ میاں بود۔ در ۱۱۸۲ھ از قام یافت نمود بعدہٗ نقل کردہ شیخ عثمان موذن آدونی ۱۲۳۴ھ بعدہٗ سید خواجہ محی الدین قادریؒ ۱۳۵۲ھ جو سید شاہ احمد باشاہ قادریؒ کے خسر محترم اور سید عارف نعمانی مدظلہ العالی کے نانا جان تھے (اوراق ۶۵ صفحات ۱۲۶ اشعار ۱۱۲۶ بلاحاظ حروف تہجی مرقوم ہیں۔

سید محمد ثانی قادری عرف بڑے صاحب قادری تخلص خاکی بذاتِ حق باقی۔ دکن کے مشہور سعید قادری بزرگ سید شاہ جمال البحر معشوق ربانی رحمۃ اللہ علیہ ورنگل کے سلسلے سے سید جمال اللہ قادریؒ عرف بڑے جمال اللہ قادریؒ تھے جو سید شاہ ظاہرؒ کے داماد تھے۔ اور سید محمد خاکیؒ آپ کے نورِ نظر تھے۔ اس طرح محمد خاکیؒ سید شاہ طاہر قادریؒ کے نواسوں میں شامل تھے۔ محمد خاکی رحمۃ اللہ علیہ ٹیپو سلطان کے اساتذہ میں شامل تھے۔ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد آپ کے مریدوں نے آدونی واپس جانے سے روکا اور آپ وہیں سری رنگا پٹنم کے علاقہ چن پٹن میں مدفن ہیں۔ مگر آدونی میں آستانۂ جمال اللہ عرف شہزادہ ولیؒ کے زاویہ میں اپنے والد کے پائیں دفن کے لئے محفوظ جگہ ابھی تک خالی ہے۔

آپ کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:۔

چل جائیں چمن میں جو مومن ہے ہمارا
مومن جسے کہتے ہیں وہی من ہے ہمارا
جانِ من جانِ جاں ہوا سو ہوا
اور نہاں ہو عیاں ہوا سو ہوا
پلا جامِ جم ساقی مجھے زم زم سے کیا مطلب
ہوا ہوی مست بیدم تو پھر اس دم سے کیا مطلب

مجھ سے ہوا ہے یار جو اغیار الغیاث
غم میں اسی کے ہوں میں بیمار الغیاث
کل میں آنا من نور ہے یو بات تو مشہور ہے
کل میں خدا معمور ہے نادان کہتے کل جدید
نقطہ چگوں ہو چکو دِستا ہے ظاہر ہو بطوں
اس بوج لے تو دائموں وہ گنج مخفی کے کلید

اور نہ جانے محمد خاکیؒ کے رشحاتِ قلم کس کس مقام پر گنج مخفی کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

(۶) سید عبدالطیف قادری نقشبندی وگروری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا غیر مطبوعہ قلمی نسخہ ''تاریخ بے بہا'' ۵ اوراق کلاں۔ صفحہ ۱۹ اشعار۔ ۱۲۳۱

یہ بر صورت مثنوی سید شاہ طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے احوال اور کرامات اور آپ کے جدامجد سید شاہ عبدالطیف لاابالی قادری الحموی قمر نگر (کرنول) کے حالات پر مشتمل ہے۔ سن ۱۲۳۱ھ کا قلمی نسخہ ہے۔ اوراق پارینہ اور قدم کاغذ ہونے کے باوجود بہترین خوشخط اور اچھی حالت میں موجود ہے۔ اس مثنوی کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

''تاریخ بے بہاں''

تم اُوپر ظاہر کروں نام کثیف
بولتے اس عبد کو عبدالطیف
موضع اک جاگیر ہے ہو گرور کر
جد کو آصف جاہ دئے تھے وہ نذر
ہجرت نبویؐ سے تب اے نیک ذات
شش صدو دو صد اوپر گذرے ہیں سات

تذکرۃ الاولیاء کر کے کتاب
گئے بنا کر شیخ او عالی جناب
کوئے سنے گا تو اسے بھی نفا
بیوقوف جاھلی ہے جو اس سے جفا
اسم جد کا سید عبدالقادر است
راز اور اسرار کے گھر کے درست
عرف اور سید امن ہے قادری
تھے ولایت کے نگر کے جوہری

شاہ طاہرؒ کے سنو والد کا نام
میں کروں اظہار اب ہر خاص و عام

ترو پتی کا دیول

ایک دیول ملک میں ارکاٹ کے
زر کے در ہیں اس کو نہیں ہیں کاٹ کے
نام دیول کا کہتے ہیں ترپتی
کافراں لاتے نذر اسیپ و پتی
اس وقت صوبۂ ادونی کے اندر
نام تھا مسعود خاں جسکا نشر

زرہ تھا خورشید بیانی گم ہوا
قطرہ تھا قلزم میں ڈوب قلزمہوا

ادونی کا قلعہ

ہے ادونی کا جو اک بالا حصار
روضہ حضرتؒ کا ہے سن اس کے تلار

بھیج حضرت کو درودواں دم بدم
بس کر اب تحریر کو رکھ دے قلم

(۷) چھوٹے شہزادہ ولیؒ

سید جمال الدین ثالثؒ عرف چھوٹے شہزادہ ولی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پدر محترم سید محمد کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح صاحب علم وفضل تھے۔ صاحب کرامات تھے اور زبان فارسی عربی وغیرہ کے علاوہ دکنی میں بھی آپ کو ید طولیٰ تھا۔ دو صدیاں گزرنے کے بعد دکنی زبان فصاحت میں تبدیل ہو رہی تھی۔ پیش خدمت ہے آپ کا قلمی نسخہ ''بدر منیر'' جو بہت ہی خوش خط ہے۔

(مثنوی) ''بدر منیر''

صفحات ۱۵۰ اوراق ۷۵ اشعار تقریباً ۱۶۰۰ مع سرخ رنگ عنوانات کے ساتھ ''داستان بے نظیر''

چند عنوانات (الف) داستاں باغ کی تیاری میں (ب) داستاں حمام میں جانے اور نہانے بے نظیر کے (ج) داستاں شاہزادی کے کوٹھی پر سونے اور پری کے اڑالے جانے میں (د) داستاں پیغام بھیجنے فیروز شاہ ماہ رُخ کو ۔وغیرہ وغیرہ

یہ مثنوی فارسی زبان سے اردو زبان میں منظوم اور سلیس ترجمہ ہے۔

کروں پہلی توحید یزداں رقم
جھکا جسکے سجدے کو اول قلم

سر لوح پر رکھ بیاض جبیں
کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں
قلم پر شہادت کی انگلی اٹھا
ہوا حرف ان یوں کہ رب العلاء
نہیں کوئی تیرا نہوگا شریک
تری ذات ہی وحدہٗ لا شریک
پرستش کے قابل ہے تو اے کریم
کہ ہے ذات تیری غفور الرحیم
وہ الحق کہ ایسا ہی معبود ہے
قلم جو لکھے اس سے افزود ہے

داستاں تیاری باغ کے

مئے ارغوانی پلا ساقیا
کہ تعمیر کو باغ کے دل چلا
دہانے نے ترتیب یک خانہ باغ
ہوا رشک سے اس کے لالہ کو داغ
عمارت کی خوبی دروں کے وہ نشان
لگے جس میں زربفت کے سائباں
چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا
کہیں رائی بل اور کہیں موگرا
چمن آتش گل سے دہکا ہوا
ہوا کی سبب باغ مہکا ہوا

کہاں چاہ والی ہیں یوسف عزیز
ارب باؤلی چاہ میں کر تمیز
پلا ساقیا مجھ کو صہبائے عیش
ملی ہے نصیبوں یہاں جائے عیش

داستاں پیغام بھیجنے میں فیروز شاہ ماہ رخ کو

یہ بھیجا یہ اس ماہ رُخ کو پیام
کہ کبوتر زیست کرتے ہیں آئینے حرام
پر اتنا احسان مجھ پر کرو
کہ اس کا پرستاں میں چرچا نہو

میاں مصحفی کو جو بھایا یہ طور
انھوں نے بھی کر فکر ازراہِ غور
کھلے اس کے تاریخ یوں بر محل
یہ تب خانۂ چین ہے بے بدل

تمام شد کتاب بدر منیر
۱۴ شہر ذیقعدہ ۱۲۳۰ ہجری

ٹیپو سلطان کا ادھونی پر حملہ اور تاریخی کتب خانہ کا نقصان

اورنگ زیب عالمگیر مرحوم 1707ء میں وصال کے بعد گو کہ دلی پر مغلیہ حکومت مزید 150 سال تک باقی رہی مگر مگل سلطنت کے وارث کمزور پڑ گئے۔ دکن میں سلطنت آصفیہ کا وجود ہوا۔ مرہٹوں کی سورشیں جاری رہیں انگریز اور

فرنگیوں کی آمد ہوتی رہی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی وسعت جاری رہی۔اسی دور میں حیدرعلی نے میسور میں سلطنت خداداد کی بنیاد ڈالی۔

بالاخراس نئی ابھرتی طاقت کو کچلنے کے لئے انگریز حیدرآباد کا نظام آرکاٹ کے نواب اور مرہٹوں وغیرہ کا اتھاد شامل رہا اوران کے مقابل ٹیپو سلطان اور فرانسیسی فوج کا اتحاد جاری رہا۔

نواب ٹیپو سلطان مرحوم نے 1783 عیسوی میں قلعہ ادھونی پر زبردست حملہ کیا اس وقت ادھونی میں حیدرآباد کے نواب بیالت جنگ کے داماد مہابت جنگ کی صوبیداری تھی۔بالاخر اٹھارہ دن کی سخت لڑائی کے بعد سلطان ٹیپو کو فتح حاصل ہوئی اور اسے مال غنیمت کے علاوہ ادھونی کا اسلحہ خانہ اور دکن کا عظیم الشان کتب خانہ بھی حاصل ہوا جسے سری رنگا پٹنم کو روانہ کردیا گیا۔

سن 1799 عیسوی میں سری رنگا پٹنم پر تیسری میسور کی جنگ جسمیں انگریز اور اسکے حلیف حیدرآباد کا نظام، آرکاٹ کے نواب، اور مرہٹوں وغیرہ کی فوج شامل تھی اور عظیم فوج کے بالمقابل ٹیپو سلطان کی واحد فوج تھی اور اس پر طرہ یہ کہ ٹیپو سلطان کے خواص اور معتمدین جن میں میر صادق اور پورنیا وغیرہ کی وجہ سے شیر میسور ٹیپو سلطان کی شہادت اور شکست ہوگئیا ور ملک ہندوستان کی تاریخ کا درخشاں باب بند ہوگیا۔علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

میر صادق از دکن میر قاسم از بنگال
ننگِ دنیا ننگِ دیں ننگِ وطن

مغلیہ حکومت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر نے کیا خوب فرمایا

صبر و طاقت خاک میں رکھ دو ظفؔر
فوج ہندوستان نے کیا ساتھ ٹیپو کا دیا

بالاخر ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد استعماری اتھاد نے دکن کے ٹکڑے ٹکڑے کردئے جس میں علاقہ رائل سیما کے چھ اضلاع انگریزی کمپنی کے اخراجات کے لئے ودیعت کردئے گئے جسمیں ضلع بلاری بھی شامل تھا۔اور شہر ادھونی ضلع بلہاری میں شامل تھا۔اس طرح ادھونی میں 1800ء عیسوی میں مدراس پریسیڈنسی میں شامل ہوا۔اول موضوع ادھونی میں ٹیپو سلطان کی سن ۱۷۸۳ میں فتح کے بعد سری رنگا پٹنم مُں علمی خزانہ تبدیل ہوگیا اور دوموضوع سن ۱۷۹۹ میں ٹیپو سلطان

Scanned with CamScanner

کی شہادت کے بعد دیگر اثاثہ جات کے ساتھ یہ ورثہ کہاں کہاں منتقل ہوا شاید انگلینڈ کے کتب خانوں اور اسکے میوزمس اور عجائب گھروں کی زینت بن گیا ہو۔ بقولِ علامہ اقبالؔ

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

سیدنا قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ

آخر کار اس مضمون کو ایک لطیفہ پر ناتمام ختم کرتا ہوں جو اس کے گردونواح میں ایک مصرعہ سے مشہور اور منسوب ہے۔

سیدنا قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک مختصر جمعیت کے ساتھ علاقہ ادونی موضع چگری سے گزر رہے تھے۔ جب شام ہوگئی تو آپؒ نے یہاں کے قدیم ستار حمادیؒ کے آستانہ عالیہ پر قیام فرمایا۔ یہاں کے دیہاتی لوگوں نے آپ اور آپ کے رفقاء کی اس طرح مہمان نوازی سے تواضع فرمائی۔ نان شب کے لئے ٹوٹے پھوٹے چاول اور کنگنی کے چاول کا کھانا۔ جوار کی خشک روٹی اور صرف چٹنی ہی تھی۔ آپ نے اپنی جمعیت کے ساتھ سیراب ہوکر تناول فرمایا۔ اور جسدم اس مقام سے گذرنے سے پہلے لکڑی کے کوئلے سے یہ دکنی شعر آستانہ ستار حمادیؒ کی دیوار پر فی الفور تحریر فرما کر یہاں سے اپنا سفر جاری رکھا۔

ستار کے در پو مسافر آیا ہے جب سانج کو
کنکیاں ملے تو شکر کر تکرار کر نہ چھاچھ کی

نوٹ: مذکورہ روایت وحکایت محل نظر وفکر ہے حضرت قطب ویلور اپنے سفرِ حج کے موقع پر ادونی تشریف لائے تھے اور شاہی جامع مسجد میں قیام کیا تھا پھر وہاں سے رائچور تشریف لے گئے۔ چگری تشریف نہیں لے گئے۔ غالباً یہ کسی اور بزرگ کی حکایت ہے۔ مدیر مسئول

شناسؔ

دیکھئے اپنی مزاروی سے جی اٹھتے ہی رہے
مری تحقیق نے اک نور کا منظر دیکھا

زندہ رہنے کے لئے ہے یہ ضروری شناؔس
اپنے اسلاف کی تاریخ بھلایا نہ کرو

مخطوطات : (۱) دیوان رنگین۔محمد خاکیؒ (۲) تاریخ بے بہا۔عبدالطیف وگروری (۳) معجزہ خاتون جنت ۔عبدالقادر لنگبند (۴) بدرِ منیر۔چھوٹے جمال اللہ قادری (۵) مطبوعات۔ذکر میرے اجداد کا۔سید محی الدین ھادی (۶) میرے پیرانِ طریقت۔سید عارف نعمانی (۷) دکن میں اردو۔نصیر الدین ھاشمی (۹) سلطنت خداداد۔محمود خان بنگلوری۔آئینہ ادب کرنول وغیرہ وغیرہ

مکتوب

قبلہ محترم الحاج ڈاکٹر سید عثمان قادری مدظلہ العالی

بصد آداب تسلیمات نیاز و دست پوسی

ناظم حضرت مکان۔ویلور

پیش خدمت کر رہا ہوں ناظم حضرت مکاں
کفر کی جدت میں بے شک دین حق کا سائباں
لاکھ طوفاں زد میں ہوں تو میرے ہمدم غم نہیں
دین حق کی دہر میں مضبوط تر ہے یہ چٹاں
سرنگو ہو جائیں گے اصنام ظلمت کے ضرور
اس کے ایوانوں میں گونجی کلمۂ حق کی زباں
ملک ہندوستان میں پھر شور و شر باطل کا ہے
''ھوٗ'' کی زد میں جل اٹھے دجال پر ہوں بجلیاں
بے شبہ شناؔس یہ حضرت مکاں روشن منار
بحر ظلمت میں رواں ہو نورِ حق کی کشتیاں

دعائے خیر کا طالب

احقر العباد

محمد یوسف شناؔس

آدونی

کربلا آج بھی ہے فوج یزید آج بھی ہے

کیا ہے پھر مدنظر قدرت کو تخلیق حسینؓ　　آج ہر گوشہ جہاں کا کربلا انداز ہے

اسلامی (قمری) سال محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے اور ذی الحجہ پر ختم ہوتا ہے جو سنہ ہجری کہلاتا ہے اور سنہ عیسوی (شمسی) سال (جنوری تا دسمبر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھالئے جانے کے بعد سے شمار کیا جاتا ہے۔ ماہِ محرم الحرام بھی عظیم قربانی کا مہینہ ہے اور ذی الحجہ بھی حج وقربانی کا مہینہ ہے بقول شاعر

کتنی سادہ ورنگین ہے داستانِ حرم　　نہایت اسکی حسینؓ ابتداء ہے اسماعیلؑ

سنہ ہجری (قمری) سال کی تاریخیں چاند سے شمار کی جاتی ہیں، دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں اور مہینے برسوں میں تبدیل ہوتے جاتے ہیں، یہ تبدیلی منفعت وحکمت سے خالی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کو اپنی نشانیوں سے تعبیر فرمایا ہے اور روز وشب کی یہ تبدیلی اسلئے ہے کہ اس میں اللہ کے فضل کی تلاش اور تحصیلِ معاش کی جائے۔

محرم الحرام حرمت والے چار مہینوں میں سے پہلا مہینہ ہے اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَاللّٰه اَثنا عَشر شهراً فِي كِتَابِ اللّٰه يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالرَض مِنْها اَربعته حُرُم۔ جب اللہ تعالیٰ نے عرض و سماوات کی تخلیق فرمائی اس وقت سے بارہ مہینے مقرر فرمادئے جن میں سے چار حرمت والے ہیں محرم الحرام، رجب المرجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ۔ حضور سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰه الْمُحَرَّمُ رمضان کے بعد محرم کا روزہ سب سے افضل ہے (مسلم)

محرم الحرام پورا عظمت وفضیلت اور برکت وسعادت والا مہینہ ہے اور دسواں دن یعنی عاشورہ خاص طور پر مکرم و معظم اور افضل واکرم ہے، روزِ عاشورا ہی میں اللہ جل شانہ نے ارض وسماوات لوح وقلم ملائکہ اور حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اسی دن حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان سے نجات پائی اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتش نمرود گلزار بنی، فرعون غرق ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو امن ملا حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے رہائی ملی حضرت ادریس علیہ السلام کی اسی روز مکانِ علیا تک رسائی ہوئی اور حضرتِ ایوب علیہ السلام شفایاب ہوئے حضرتِ داؤد علیہ السلام کی قبولیت توبہ کا بھی یہی دن تھا حضرتِ سلیمان علیہ السلام کو بھی سلطنت اسی دن ملی حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام روز عاشورا ہی

میں آسمانوں پر اٹھا لئے گئے اور حضر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا عالمِ ارواح میں ظہور ہوا، اسی روز اللہ تعالیٰ شانہ عرش پر مستوی ہوا اور قیامت بھی اسی روز قائم ہوگی (غنیۃ الطالبین) مذکورہ خصوصیات کے علاوہ عاشوراء کا احترام واکرام نواسۂ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ، اور آپ کی اولادِ امجاد و جانثارانِ ذی احترام کی شہادت کی وجہ بھی ہے جو تاریخ اسلامی کا دلوں کو تڑپا دینے والا واقعہ ہے جس سے بلا تخصیص مذہب وملت ساری دنیا واقف ہے اور میدانِ کربلا میں آلِ رسول ومحبانِ آلِ رسول کی خونریزی کا دل دہلا دینے والا یہ سانحہ استحکامِ دینِ اسلام کے لئے ایک عظیم ترین قربانی ہے جس کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اگرچہ کہ دنیا میں ہر پل ہر لحظہ حادثات وسانحات وقوع پذیر ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہینگے اور آئے دن ان میں اضافہ ہو رہا ہے ظلم وزیادتی لوٹ کھسوٹ قتل وغارتگیری کی جو گرم بازاری آج ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے اسکا تصور ہی رونگھٹے کھڑا کر دینے کے لئے کافی ہے۔

حق و باطل کا وہی معرکہ عہد قدیم گرم دنیا میں بہ اندازِ دگر آج بھی ہے
فرق یہ ہے کہ نہیں عزمِ حسینی ورنہ کربلا آج بھی ہے فوجِ یزید آج بھی ہے

فخرِ موجودات حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''زمین کفِ آب سے بنی ہے'' چودہ سو سال پہلے فرمائی گئی اس حقیقت کو ماہرینِ ارضیات بھی تسلیم کرتے ہیں، جب سورج کی گرمی سے سمندر کا پا بھاپ (گھٹا) بنکر برسا اور زندگی کی مختلف شکلیں صورتیں وجود میں آئیں اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا گیا جس پر انچالیس برس غم کی گھٹا برستی رہی اور ایک سال خوشی کی، اسی لئے آدمی کے لئے غم والم زیادہ اور راحت وخوشی کم ہے۔

موجِ غم پر رقص فرما ہے حبابِ زندگی ہے الم کا سورہ بھی جزوِ کتابِ زندگی

بہر حال غم والم اور مسرت وراحت سے انسانی رشتہ پرانا ہے اور غمِ حُسین علیہ السلام اوصافِ انسانی جیسے ہدایت سیادت وصداقت اور ریاضت وشجاعت وغیرہ کا ایک روشن چراغ ہے۔

دنیا تری نظیرِ شہادت لئے ہوئے ابتک کھڑی ہے شمعِ ہدایت لئے ہوئے

یادِ غمِ حسینؓ وشہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعیں باعثِ خیر وبرکت فضیلت وسعادت اور اجرِ آخرت ہے اس سے چشم پوشی مقصد شہادتِ حسینی کا انکار اور بیعت وخلافتِ یزیدی کا اقرار ہے۔

بیعتِ فاسق و فاجر جو یہاں کر لیں ہم کسطرح جائینگے اللہ و نبی کے آگے

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری آل کی ایک دن کی محبت کا ثواب ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے اور اس پر جان دینے والا جنت میں جائیگا (بہ روایت عبداللہ ابن سعدؓ) اور فرمایا میری آل وعیال کی محبت سات اہم مواقع میں جوغم کے ہیں نفع دیتی ہے موت، قبر، حشر، حساب، کتاب، میزان، صراط۔ اور فرمایا بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کردی جو میرے اہلبیت پر ظلم کرے یا انکو قتل کرے یا قاتلوں سے تعاون کرے یا انکو گالی دے اور فرمایا جو میری اولاد کے بارے میں مجھے اذیت دیگا اس پر اللہ کی لعنت ہے"۔ شہادتِ حسینؓ وجانثارانِ حسینؓ نہ صرف مسلمانوں کے لئے دردوغم کا باعث ہے بلکہ تمام افرادِ عالم کے لئے اندوہ والم کا سبب ہے اسی لئے ہر فرد بشر بقدرِ ظرف وتوفیق شہدائے کربلا کی خدمت میں خراج عقیدت ونذرانۂ محبت پیش کرتا ہے اور راہ حق میں آلام ومصائب کو ہمت وحوصلہ لینے کی اس زہرہ گداز اور خونچکان داستان سے عزم واستقامت صبر وتحمل اور ایثار وقربانی کا سبق لیتا ہے۔

حسینؓ ابنِ علیؓ تیرے غم کی عمر دراز زمانہ تجھ سے سبق لیگا حشر کے دن تک

تقریباً چودہ سوسال سے یہ خونیں معرکہ کروڑوں مسلمانوں کو خون کے آنسو رلا رہا ہے اور روزِ عاشوراء یہ زخم اور ہرا ہو جاتا ہے اور تا قیام قیامت یہ داستان غم والم ہر صاحبِ دل کو رونے اور سامانِ شفاعت فراہم کرلینے کا موقعہ مہیا کرتی رہیگی اور شہدائے کربلا وجانثاران آل عبا کی بے مثال شجاعت واستقامت کے تذکرے زندہ وباقی رہینگے۔

غمِ حسین علیہ السلام چاروں طرف رہے گا حشر تک اے داغ ربع مسکوں میں

بہ روایت صحیفۂ آسمانی وہ میثاق جو روز الست حضرت امام حسین علیہ السلام نے قبول شہادت کے لئے لکھا تھا اسکی پشت پر لکھا تھا "اے حسین میں نے تم پر موت وشہادت کو لازمی قرار نہیں دیا بلکہ تم کو اختیار ہے، اور تمہارا مرتبہ میرے نزدیک وہی رہیگا جواب ہے ہمکو تمہارا صبر وتحمل دنیا کو دکھانا تھا اگر تم چاہو تو ہم سارے مصائب تم سے دور کردیں ہم نے آج تمام آسمانوں اور زمینوں، ملائکہ اور جنوں کو تمہارے تابع کردیا ہے" جب امام نے سر اٹھا کر دیکھا تو زمین وآسمان کے درمیان ہزار ہا ملائکہ ہاتھوں میں آتشیں گرز لئے اذن جہاد طلب کررہے تھے امام نے ہاتھوں کو صحیفہ کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض کیا کہ "میں تو چاہتا ہوں تیری اطاعت ومحبت میں ستر ہزار مرتبہ قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں جبکہ میرے قتل میں تیرے دین کی نصرت اور بقا ہو اور شریعت محمدی کی حفاظت مضمر ہو پھر ایفائے عہد کے لئے تلوار کو نیام میں رکھ لیا۔ ریاض الشہادت کی روایت ہے کہ پندرہ ہزار تیر اندازوں نے بہ یک وقت تیر برسائے جب امام زین العابدین

سے پوچھا گیا کہ آپکے والد بزرگوار کے جسم مبارک پر کتنے زخم تھے تو آپ نے فرمایا کہ میری انگشتری کے برابر بھی جگہ بچی ہوئی نہ تھی، "لسان الواعظین" میں لکھا ہے کہ چار ہزار ملعونوں نے پتھروں سے حملہ کیا جب امام عالی مقام زخموں سے چور ہوگئے تو صالح نے آپکی کمر میں نیزہ مارا تو آپ ڈھنے رخسار کے بل زمیں پر گر پڑے بقول میر انیسؔ۔

قرآن رحلِ زیں سے سرِ فرش گر پڑا دیوار کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا

روایت ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، عرصۂ محشر میں خون آلودہ تشریف لائینگے اور جناب باری میں عرض کرینگے "الٰہی میری شفاعت اس شخص کے حق میں قبول فرما جو میری مصیبت کو یاد کر کے گریہ کناں ہوا" اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت میں رونا باعثِ طلبِ رحمتِ الٰہی ہے اور مصائب کربلا وشہادتِ حسینی کو یاد کر کے رونا ڈرہائے اجر وثواب پر و لینا ہے۔

بہ یادِ حسینِ علی گریہ کن کہ زین گریہ پید اشود آبرو
داغِ ماتم نہیں پروانہ جنت ہے یہ شوقؔ چاہیئے تھی غمِ سرورکی نشانی مجھ کو

محمد اشفاق شوقؔ لکھنوی

سنگ دل کہتے ہیں کہ تاریخ شہادت صحیح روایات پر مبنی نہیں ہے چلئے تھوڑی دیر کے لئے اس کذب وجہل کو برداشت کرلیا جائے اور اس سانحہ کے تمام واردات کو ایک طرف رکھ کر صرف پانی نہ دینے کی مذموم ترین حرکت کے متعلق ان منکرین حقائق سے پوچھا جائے کہ یہ کونسی آدمیت وشرافت یا خوبی کی بات تھی (جبکہ کربلا کے پیاسوں کے واقعات پڑھ کر سن کر سینہ ابل پڑتا ہے آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں) اس ظلم کا کیا جواز تھا کیا یہ دروغ گو اور منکرینِ حقائق اسکا بھی انکار کردینگے کہ یہ بھی جھوٹ ہے؟۔

پرکھنا ہے جسے دل اپنا پیاسوں کی محبت میں کلیجہ تھام کر کہئے لب ساحل چلا آئے

فرمایا محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ اشخاص ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے اور ہر نبی برحق نے لعنت کی ہے۔

یہ مومنوں میں منافق کہاں سے آئے ہیں مِلا رہا ہے یہ دریا میں لا کے نالے کون
دماغ کھوئے ہیں دولت کی جگمگاہٹ میں تیری کتاب پہ یا رب نگاہ ڈالے کون

شکیل شمسی

۱) اللہ کی کتاب میں اضافہ کرنے والا۔

۲) اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا

۳) زبردستی مسلط ہونے والا (مسلط ہونیوالا وہ ہے اللہ جسکو ذلیل کرے اسکو عزت دیتا ہے اور اللہ نے جسکو عزت دی ہے اسے ذلیل کرتا ہے)

۴) اللہ کے حرم کو حلال قرار دینے والا (یعنے حرم میں نزیزی کرنے والا)

۵) میری اولاد کا خون حلال جاننے والا جسکو اللہ نے حرام ٹھیرایا ہے۔

ہائے افسوس کہ اس قوم میں شامل ہم ہیں　　　جس نے اولادِ پیمبر کا تماشا دیکھا

۶) اور میری سنّت کو ترک کرنے والا (ترمذی۔حاکم)

بتائے قاتلانِ حسینؓ و آلِ حسینؓ کو اور انکی ہمنوائی کرنیوالوں کو کس زمرہ میں شمار کیا جائے؟

واقعات و اسباب ظاہری کے پیشِ نظر دیکھئے تو نبی زادوں کو بیعت و اطاعت کے نام پر فریب دے کر بلایا گیا اور معصوموں اور مظلوموں کا خون بہایا گیا شیرخواروں اور عورتوں پر بھی رحم نہیں کیا گیا فریب سازش جھوٹ اور ظلم کی ایسی کوئی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

کیا محمد مصطفیٰ کو منھ دکھائینگے وہ لوگ　　　روٹھ کر جن سے محمد مصطفیٰ والے چلے

دنیا میں کئی اندوہناک حادثات اور روح فرسا واقعات وقوع پذیر ہوئے اور ایک وقتی تاثر چھوڑ کر دھندلا گئے یا تحریری صورت میں طاقِ نسیان کی نذر ہو گئے مگر کربلا میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور آپ کے جانثاروں نے اپنے خون سے جو چراغ جلائے تھے وہ آج بھی روشن ہیں اور ظلم و زیادتی جبر و ناانصافی کے اندھیروں میں صحیح راستوں کی نشاندھی کر رہے ہیں اگر شہیدانِ کربلا نے یہ قربانیاں نہ دی ہوتیں تو باطل کی سیاہی اسلام کی زریں اصولوں پر غالب آجاتی ،ان قربانیوں سے یہ واضح ہوا کہ حق و صداقت کی روشنی باطل کی تاریکیوں کو مٹادیتی ہے۔

امام حسینؓ نے ان لوگوں سے جو قرآن کے قاری بھی تھے حدیث کے راوی بھی تھے نمازی، روزہ دار اور حاجی بھی تھے بیعت کا انکار کر کے یہ واضح فرمادیا کہ مسلمانی صرف قرآن و حدیث خوانی اور نماز کی ادائی کا نام نہیں بلکہ باطل پرستی اور شر و معصیت سے تعاون نہ کرنیکا نام ہے، حق و صداقت نیکی و تقویٰ پر قائم رہنے کا نام ہے جسے جادۂ نبوی یا اسوۂ حسنہ کہا جاتا ہے۔

شہادت سے پہلے حضرت حسینؓ حضرت رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت علیؓ و بی بی فاطمہؓ کے

صاحبزادے اور حضرت حسنؓ کے بھائی تھے اور شہادت کے بعد ان عالی قدر و منزلت نسبتوں کے ساتھ ایک عظیم علامتِ حق ونشانِ صداقت بن گئے گویا حسینؓ نام ہے ظلم و عدواں کا عزمِ مصمم اور ہمت و حوصلہ کے ساتھ دفاع کرنیکا اور شر ابولہبی کو نیست و نابود کرنے اور چراغ مصطفوی کو جلائے رکھنے کا۔

مٹتے ہوئے سلام کا پھر نام جلی ہو — لازم ہے کہ ہر شخص حسینؓ ابن علیؓ ہو
کون ناموسِ رسالت کا نگہباں ہو گیا — کس کا سر نیزے کو پہنچا کون قرباں ہو گیا
کس کی شہ رگ پر یزیدی ہاتھ اٹھے بیدریغ — کون تھا جسکا لہو تفسیرِ قرآن ہو گیا
کون تڑپایا گیا ہے کربلا کی خاک پر — کس کا ماتم ماتمِ تاریخِ انسان ہو گیا

سلام ہو محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر اور جانثارانِ آل محمدؐ پر
سلام ہو حسینؓ پر جنکو آپکے نانا جان ﷺ نے اپنا فرزند فرمایا
اور جو صورت و سیرت میں اپنے نانا جان کے مشابہ تھے
سلام ہو بنی فاطمہؓ کے ان سر کٹے مقدس جسموں پر جو کئی روز
کربلا کے میدان میں بے گور و کفن پڑے رہے۔

سلام ہو محمد ﷺ کے گھر والوں پر اور انکے جانثاروں پر جنکی بدولت نعرۂ حق بلند ہوا، جنکے سروں پر آلام و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے مگر انہوں نے حق سے منھ نہ موڑا۔

سلام ہو ان تمام شہدائے امتِ محمدی پر جنہوں نے ہر طرح کی آفتیں تکلیفیں مصیبتیں سہہ لیں مگر باطل کے آگے نہ جھکے یہاں تک کہ جان دیدی اور ہر حال میں حق پر قائم رہنے کا سبق دے گئے، اللہ جل شانہ و رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم ان سے راضی ہوں اور انکے آرام گاہوں پر رحمت الٰہی کی چادر تنی رہے اور فیضانِ رسالت پناہی کے سبزہ و گل تر و تازہ رہیں اور بفضلِ الٰہی و بطفیلِ محمدی ہم عمل خیر و اتباع سنتِ نبوی کے لئے تازہ دم ہو جائیں ہماری حیاتِ چندروزہ سارے عالم کے لئے خوبی و بہتری اور امن و سلامتی کا باعث بنے، آمین۔

حکیم سید محمود بخاری
محل ۵۱۷۲۳۵ (ضلع چتور، آندھرا پردیش)

نعت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم

از محمد یوسف شمیم صاحب مرحوم
نیلور، اے، پی،

وہ چشم شوق بھی کتنی عجیب ہوتی ہے
جسے زیارت طیبہ نصیب ہوتی ہے

بہارِ جنتِ ارضی قریب ہوتی ہے
نظر فدائے دیارِ حبیبؐ ہوتی ہے

اگر نہ ساتھ ہو رہرو کے زادِ عشق رسولؐ
تو راہِ منزل ہستی مُہیب ہوتی ہے

خیال شاہؐ میں یوں غم سے دور ہوتا ہوں
کہ اک خوشی رگِ جاں کے قریب ہوتی ہے

در حبیبؐ خدا پر جو بیت جائے شمیم
عزیز عمر وہ کیا خوش نصیب ہوتی ہے

پیش کش
محمد باقر حسین اور محمد سجاد حسین
نبائیر: محمد یوسف شمیم صاحب مرحوم، نیلور، اے پی۔

☆☆☆☆

دارالعوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

ہندوستان کا واحد مدرسہ جو بغیر کسی چندہ یا عطیہ کے چلتا ہے !

از: منصور علی خان سہروردی
مدیر اعلیٰ ہفت روزہ تسخیر انسانیت بنگلور

تقریباً 300 سال قبل حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری قدس سرہ ُ نے دارالعوم لطیفیہ کی بنیاد رکھی۔ حضرت مکان کے قیام سے پہلے کوئی خاص مرکز علوم پورے ہندوستان میں نہیں تھا۔ ممکن ہے کہیں کہیں مساجد وغیرہ میں تعلیم وتدریس کا انتظام رہا ہو۔ لیکن تاریخ کے اوراق ان درسگاہوں سے خالی نظر آتے ہیں۔

بیجاپور کی سلطنت کے زوال کے بعد اس خاندان کے بزرگ بیجاپور سے ہجرت کر کے شہر ویلور پہنچے اور مسجد بنائی ،خانقاہ کا قیام عمل میں لایا اور ایک مدرسہ کا بھی انعقاد کیا۔ جہاں سے علم دین کی ایک نئی کرن اجاگر ہوئی جس میں مدرسہ باقیات الصالحات بھی شامل ہے، جس کے بانی مولانا عبدالوہاب صاحبؒ بھی دارالعوم لطیفیہ کے فارغ ہیں۔

ان بزرگوں میں حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؒ ،حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقیؒ اور حضرت مولوی سید شاہ عبدالطیف قطب ویلور بہت مشہور ہیں جن کی دینی وعلمی خدمات نے کئی صدیوں سے اس علاقہ کے مسلمانوں کو راہِ اسلام پر گامزن رکھا ہے۔ حضرت سید شاہ عبداللطیفؒ عالم بھی تھے صوفی باصفا بھی اسی طرح اچھے خطیب بھی تھے۔ حضرت کے جمعہ کے خطبے عوام وخواص سب کے لئے راہِ ہدایت کا سبب بنے۔ حضرت انگریزی زبان کے بھی ماہر تھے اس لئے انہوں نے انگریزوں سے بھی علمی بنیادوں پر رابطہ قائم کیا۔ پادریوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور بھی کیا اور خود عیسائی حکمرانوں کو قبول اسلام کی دعوت دینے لگے۔ اور ملکۂ وکٹوریہ کو بھی اسلام کا پیغام بھیجا۔ نتیجتاً بغاوت کے الزام میں پچاس دن مقید کئے گئے۔ لیکن اپنے کام کو برابر جاری رکھا۔ ملک کے غیر مسلم راجا مہاراجاؤں کو بھی اسلام کی دعوت پیش کی اور خود مسلمان حکمرانوں کی اصلاح بھی کرتے رہے۔

دارالعلوم لطیفیہ میں کسی قسم کا چندہ عطیہ یا طلباء سے کسی قسم کی فیس نہیں لی جاتی یہ ایک خودکفیل مدرسہ ہے یہاں کے بزرگ اتنی املاک چھوڑ گئے ہیں جس سے بحمدہ تعالیٰ مدرسہ کے اخراجات پورے ہو جاتے ہیں۔ ایک وقت کی بات ہے کہ

اعلحضرت مدرسہ میں تشریف فرما تھے اتنے میں ایک معمر شخص مدرسہ تشریف لائے جو علاج کے لئے سی ایم سی اسپتال آئے تھے۔ یہ معلوم کر کے کہ یہاں ایک خانقاہ اور سادات وسنیت کا مدرسہ ہے۔ یہاں کے سجادہ نشین با کمال بزرگ ہیں، ملاقات کے لئے آئے تھے اور صحت یابی کی دعا کی گذارش بھی کی۔ اس کے بعد بڑی عاجزی وانکساری، بڑے اداب کے ساتھ دلی تمنا کا اظہار کیا کہ ''حضرت والہ میری خواہش ہے کہ آپ کے مدرسے کے طلباء کو بطور صدقہ بکرا ذبح کر کے گوشت کھلایا جائے'' فوراً قبلہ اعلحضرت نے مسکراتے ہوئے صاف صاف یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ ہم اپنے بچوں کو صدقہ و زکوۃ کا مال نہیں کھلاتے۔

ڈاکٹر سید شاہ عثمان قادری جو اعلحضرت کے داماد ہیں (اعلحضرت کو کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی ایک لڑکے جو بچپن ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور دو لڑکیاں ہیں) دارالعلوم کی ذمہ داری ان کے سپرد ہے۔ جو بحمدہٖ تعالیٰ بڑی خوش اسلوبی سے نبھا رہے ہیں۔ دارالعوم لطیفیہ میں مولوی عالم کا شعبہ اور حفظ کا شعبہ ہے۔ ہم نے ناظم صاحب سے سوال کیا کہ علم دین کے علاوہ عصری تعلیم جیسے کمپیوٹر وغیرہ کا شعبہ کیوں نہیں ہے؟ تو ناظم صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ یہی سوال کسی میڈیکل کالج یا انجینرنگ کالج میں کریں کہ آپ میڈیکل /انجیرنگ کی تعلیم کے ساتھ علم دین بھی سکھائیں۔ جس طرح میڈیکل کالج میں صرف ڈاکٹریٹ کی تعلیم دیجاتی ہے اور انجیرنگ کالج میں صرف انجیرنگ کی تعلیم دیجاتی ہے اسی طرح ہمارے دارالعوم میں صرف اور صرف دینی تعلیم دیجاتی ہے جس کی فراغت کے بعد طلباء چاہیں تو دنیوی علم بھی سیکھ سکتے ہیں۔

پروردگار عالم اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقہ اس عظیم دینی درسگاہ کے فیوض کو تا قیامت برقرار رکھے۔ آمین

منصور علی خان سہروردی
مدیر اعلیٰ ہفت روزہ تسخیر انسانیت بنگلور
موبائل: 9845658861

آبِ زم زم
فضائل و مسائل کی روشنی میں

از: افضل العلماء مفتی حافظ لیس یم فرید الدین سر قاضی قادری
ڈپٹی گورنمنٹ قاضی ویلور ڈسٹرکٹ

الذی ھو نور الانوار وسوا السرار

الحمد لله والصلوة والسلام علی سیدنا محمدٍ عدد قطرالامطار وعدد زبد البعار و صلی علی سیدنا محمدٍ و علی اله الطیبین وذویته المبارکین و صحابته الاکرامین و ازواجه اُمهاتِ المئومنین و من تبعهم باحسانٍ الی یوم الدین۔

جب خالق کائنات نے دنیا بنانے کا ارادہ کیا تو اس وقت جن چیزوں کو پیدا کیا ان میں سے ایک شئی پانی بھی ہے ۔آسمان کی طرح ہر طرف اس روئے زمین پر پانی پھیلا ہوا تھا۔ پانی کے بطن سے وحدہ لاشریک نے زمین کے اس حصہ کو سب سے پہلے نمودار کیا جس مقام پر آج بیت اللہ شریف ہے۔ پھر اس قدر زمین نمودار ہو کر پھیلتی چلی گئی جس قدر اللہ جل جلالہ کو منظور تھا۔ اس طرح اولین نعمتوں میں سے ایک نعمت عظمیٰ پانی ہے۔ جو ہر کس و ناکس کیلئے میسر ہے۔ اور یہ تمام مخلوقات کی زندگی کا جزءلاینفک ہے بلکہ اسی پر زندگی کا دارومدار ہے اگر وہ نہ ہو تو انسان، حیوان، درند، چرند، و پرند سب فنا و ختم ہو جائیں گے۔ خالق ارض و سماں نے اپنے فضل سے پانی کو آسمان سے برسا کر سمندروں، نالوں، چشموں، کنوؤں میں محفوظ فرما کر ندیوں، نالوں اور نہروں کی شکل و صورت میں جابجا پانی کو عام کر رکھا ہے۔

پانی کی انھیں مختلف انواع واقسام میں سے ایک مقدس پانی آبِ زم زم ہے جو اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ کا ایک انمول تحفہ ہے۔

زم زم اسم علم ہے:۔

یہ اس کنویں کے لئے بولا جاتا ہے جو مکہ مکرمہ میں مسجد الحرام کے وسطی حصہ میں واقع ہے۔ کعبۃ اللہ سے قریب قدرے جانب جنوب مقام ابراہیم سے کوئی اٹھارہ میٹر کے فاصلے پر ہے۔

لغوی اعتبار سے زم زم کے معنی "رک جا" کے ہیں اور پانی کی بہت بڑی مقدار کے بھی ہیں، زم زم پانی کی آواز کو بھی کہا جاتا ہے۔

زم زم کی اصل جنت ہے:۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زم زم جنت کی نہروں میں سے ایک نہر ہے۔ امام اعناویؒ کے مطابق جنت کی اس نہر کی اصل تحت سدرۃ المنتھی ہے جہاں سے اسکا نزول زمین پر ہوتا ہے۔ اسلئے زم زم کی اصل جنت ہے یعنی زم زم جنت کی نہروں میں سے ایک ہے۔

زم زم دنیا کا بہترین پانی:۔

بمطابق فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بہترین خطہ ارض وہ ہے جس میں بیت اللہ اور مسجد الحرام واقع ہے اس لحاظ سے زم زم کعبۃ اللہ سے قریب تر ہے یہ حجر اسود اور مقام ابراہیم دونوں سے قریب ہے۔ گویا کہ بہترین اور مقدس خطۂ ارضی میں زم زم کا وجود بھی اس کی تقدس اور برکت پر ایک مبین دلیل ہے۔

آبِ زم زم تاریخ کے آئینہ میں:۔

چاۂ زم زم کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں علامہ بدرالدین عینیؒ نے علامہ زمخشریؒ کے حوالے سے لکھا ہے چاہِ زم زم کو حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے دوبار نکالا ہے۔ ایک بار حضرت آدم علیہ السلام کے لئے دوسری بار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے (عمدۃ القاری ۹/۲۷۷) اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ آدم کے اول ہی سے آب زم زم کا وجود رہا ہے۔ البتہ طوفانِ نوح میں بند ہوگیا تھا۔

زم زم کا کنواں:۔

پھر جب حضرت ابراھیم علیہ السلام نے مکہ المکرمہ اس غیر ذی فراع وادی میں حضرت ہاجرہؑ اور نومولود اسماعیلؑ کو

زم زم کی جگہ سے کچھ اوپر ایک درخت کے نیچے انہیں ٹھہرایا۔ ان کے پاس کھجوروں کی ایک تھیلی اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھا اور واپس چل پڑے۔ حضرت ہاجرہ انکے پیچھے بھاگی اور پکار کر کہا ''ہمیں اس بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟'' کئی دفعہ یہ الفاظ پکارے مگر حضرت ابراھیمؑ نے توجہ نہ کی آخر وہ کہنے لگیں ''کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ ''فرما''ہاں'' وہ فرمانے لگیں ''پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا'' یہ کہہ کر واپس درخت کے نیچے چلی گئیں۔ حضرت ابراہیم چلتے گئے حتیٰ کہ جب گھاٹی میں پہنچے جہاں سے وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے تو انہوں نے بیت اللہ کی طرف منہ کیا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کیں۔ جسکا ذکر قرآں کریم کی اس آیت مبارکہ میں ہے ربنا انی السكنت من ذريتى بوادٍ غيوذى زرعٍ عند بيتك المحرم ربنا ليقيموا الصلوة فاجعل افيعده من الناس تهوى اليهم وارزقهم من الثمداتِ لعلهم يشكرون (سورۃ ابراھیم:۳۷)

حضرت ہاجرہ اپنے شیر خوار بچہ اسماعیل کو دودھ پلاتی رہیں جس وقت یہ بھی ختم ہوگیا تو شیر خوار کے لئے ماں کی چھاتیوں میں شیر (دودھ) بھی باقی نہ رہا۔ پھر کیا تھا؟ سنسان وادی بھوکے پیاسے شیر خوار کے بلکنے اور رونے کی آواز سے گونج اٹھی، ادھر ماں نصرت خداوندی کے انتظار میں قریب ترین پہاڑی صفا تھی اس پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھا شاید کوئی نظر آجائے لیکن کوئی نظر نہ آیا تو نیچے اتریں۔ ہموار زمین تک پہنچیں قمیص کا کنارہ ہاتھ میں پکڑ کر ایک مصیبت زدہ کی طرح بھاگتی ہوئی مروہ کی طرف آئیں اس پر چڑھ کر بھی ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا۔ سات دفعہ ایسے ہی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سعی کا رواج اسی لئے پڑا'' جب وہ آخری دفعہ مروہ پر چڑھیں تو انہیں ایک آواز سنائی دی۔ اپنے آپ سے کہنے لگیں ''چپ'' پھر غور سے کان لگایا تو دوبارہ وہی آواز سنائی دی۔ فرمانے لگیں ''میں نے تیری آواز سن لی ہے، اگر کچھ مدد کر سکتا ہے تو کر'' اچانک نظر اٹھی تو دیکھا کہ ایک فرشتہ زمزم والی جگہ کے پاس کھڑا ہے۔ فرشتہ نے زمین پر اپنی ایڑی یا پیر مارا اور پانی نکال دیا۔ وہ بھاگی بھاگی آئیں اور اپنے ہاتھوں سے اس جگہ کے گرد حوض سا بنانے لگیں۔ ''زم زم، زم زم'' رک جا، رک جا چلو بھر بھر کر مشکیزہ بھرنے لگیں۔ ابھی تک پانی جوش سے ابل رہا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لو تدكت زمزم او قال : لو لم مغرفمن الماء لكانت زمزم عينا معينا ''اگر وہ زمزم کے پانی کو اسی طرح رہنے دیتیں اور چلو بھر کر مشکیزے میں نہ ڈالتیں تو زمزم (ایک کنوئیں کی بجائے) جاری چشمہ بن جاتا''۔

خیر انہوں نے پانی پیا اور بچے کو دودھ پلایا۔ وہ فرشتہ کہنے لگا۔ یہ نہ سمجھنا تم ضائع ہو جاؤ گے۔ یہ سامنے اللہ کا گھر ہے جسے یہ بچہ اور اس کا باپ (از سرنو) بنائیں گے۔ اللہ اپنے دوستوں کو ضائع نہیں کرتا (صحیح بخاری)

حاصل کلام حضرت ہاجرہؓ اسماعیلؑ کی قربانیوں کے طفیل آب زم زم دوبارہ ظاہر کیا گیا اور انہیں کے صدقے میں اسی بابرکت پانی ''آب زم زم'' سے مخلوق پھر سیراب ہونے لگی۔

زم زم کے نشانات کا مٹنا

''چاہِ زم زم'' کے ظہور ثانیہ کے بعد مکہ میں میں دو قبیلے بنو اسماعیل اور بنو جرہم آباد ہوئے۔ مرور زمانہ کے بعد ان قبیلوں میں جھگڑا ہو گیا۔ بنو جرہم کثرت تعداد کی وجہ سے غالب آگئے، بنو اسماعیل کو مکہ چھوڑنا پڑا، مگر جب بنو جریم کے مظالم بیت اللہ میں حد سے بڑھ گئے تو سارا عرب اکٹھا ہو کر بنو جرہم کو مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ بنو جرہم نے مکہ چھوڑتے وقت انتقاماً بیت اللہ کے سارے اسباب وزیورات ''چاہِ زم زم'' میں ڈال کر اس کو زمین کے برابر سپاٹ کر دیا۔ بنو اسماعیل مکہ مکرمہ میں دوبارہ آنے کے بعد اس طرف توجہ نہ دی نتیجہ کچھ عرصہ بعد زم زم کا نام و نشان بھی نہ رہا (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۴۴۳)

علامہ یاقوت حموی اپنی کتاب ''معجم البلدان'' میں لکھتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ بنو جرہم جب مکہ چھوڑ کر چلے گئے تو انہوں نے خود ہی اس کنوئیں کو مٹی سے بھر دیا تھا۔

چاہِ زم زم کی کھدائی

عرصہ دراز تک زم زم ناپید رہا کسی کو اس کی جگہ تک کا پتہ نہ رہا پھر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل بطور ارہاصِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبدالمطلب کو خواب میں ایک شخص نے ''برہ'' کھودنے کا حکم دیا۔ پوچھنے لگے ''برہ'' کیا ہے۔ دوسری رات وہی شخص دیکھا کہ کہا گیا ''طیبہ کھودو'' پوچھنے لگے طیبہ کیا ہے؟۔ تیسری رات پھر خواب میں دیکھا گیا کہ کہا گیا ''مصنونہ کھودو'' عبدالمطلب مصنونہ کو بھی نہ سمجھ سکے۔ چوتھی رات ''زمزم'' کھودنے کا حکم دیا، عبدالمطلب نے اسی سے پوچھا ''زمزم'' کیا ہے اس نے جواب دیا لا تنذف ابداً ولا تذم تسقی الحجج لاعظم زم زم پانی کا وہ کنواں ہے جس کا پانی نہ کبھی ٹوٹتا ہے اور نہ کبھی کم ہوتا ہے۔ بے شمار حجاج کو سیراب کرتا ہے (موجودہ زمانے میں صرف ۳۰ گز گہرائی ۲/۱ میٹر گولائی والے اس چھوٹے کنوئیں سے ۶۰ ہارس پاور کا پمپ مشن سے فی منٹ ۵۰۰۷ لیٹر پانی ۲۴ گھنٹے پمپ کیا جاتا

ہے۔اگر یہی پمپ کسی بڑے تالاب میں لگا کر پانی کھینچا جائے تو وہ بھی خشک ہو جائے اور ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے، یہاں تو ۱۵ سے ۲۰ لاکھ حاجی اوسطاً روزانہ زم زم پیتے وضو کرتے اور استعمال کرتے ہیں۔نیز ہر سال کم وبیش ۴۰ تا ۵۰ لاکھ ڈبے زم زم سارے اقطائے عالم میں پہنچتے ہیں۔اور مسجد الحرام سے مسجد نبوی مدینہ المنورہ تک پمپ لائن نصب کر دی گئی ہے۔نہ خشکی کا سوال نہ کمی کی شکایت) عبدالمطلب صبح اٹھتے تو اپنے بیٹے حارث کے ہمراہ کدال اور کسّی لے کر نشان زدہ جگہ کھودوائی شروع کردی۔تین دن میں زم زم ظاہر ہوگیا۔

اہل مکہ نے زم زم کھودنے میں عبدالمطلب کا ساتھ دینے سے نہ صرف انکار کیا تھا بلکہ مخالفت بھی کی تھی اس لئے زم زم کے نکل آنے کے بعد اس کی خدمت کے حقدار عبدالمطلب ہی رہے پھر عبدالمطلب کے بعد انکے فرزند حضرت عباسؓ کو اس کی خدمت کا حق حاصل ہوا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں انہیں کو برقرار رکھا (عمدۃ القاری ۹/۲۷۷) آج تک آلِ عباس ہی کو یہ سعادت حاصل ہے۔

آبِ زم زم کی آمد تحقیق حضرت عبداللہ بن زبیر

چاہِ زم زم میں آبِ زم زم کی آمد: عہد صحابہؓ میں بیر زم زم میں ایک حبشی گر کر مر جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر نے تحقیق کروائی تو معلوم ہوا کہ آبِ زم زم کی آمد عین کعبۃ اللہ کے نیچے حجر اسود کی طرف سے ہوتی ہے فاذ عین تنبع من قبل الحجر الاسود (مصنف ابن شیبہ ۱/۱۵۰:۱۷۲۱)

علامہ ازرقی کے بیان کے مطابق چاہِ زم زم میں تین جھرے ہیں، ایک حجر اسود کی طرف سے دوسرا ''صفا'' کی طرف سے اور تیسرا ''مروہ'' کی طرف سے (تاریخ مکہ: ۲۴۵)

فضائل آبِ زم زم

یہ بات بھی اس کی فضیلت ثابت کرتی ہے کہ جبرئیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر کے موقع پر آپ کے دل مبارک کو زم زم کے پانی سے دھویا تھا۔اگر کوئی اور پانی اس سے افضل ہوتا تو ''قلبِ مصطفویؐ'' اس سے دھویا جاتا۔ ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں مکہ مکرمہ میں سویا تھا کہ میرے گھر کی چھت پھاڑی گئی اور جبرئیلؑ اترے۔انھوں نے میرا سینہ کھولا پھر اسے زم زم کے پانی سے دھویا۔پھر سونے کا ایک تھال لائے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا۔انہوں نے ان (دونوں چیزوں) سے میرا سینہ بھر دیا۔پھر اسی طرح بند کر دیا۔پھر میرا

ہاتھ پکڑ کر مجھے آسمانوں کی طرف لے چڑھے۔ (صحیح بخاری۔حدیث ۳۳۸۲)

حضرت مجاہد نے فرمایا میں نے کبھی ابن عباسؓ کو ایسا کرتے نہیں دیکھا کہ لوگوں کو کھانا تو کھلائیں مگر زم زم نہ پلائیں۔نیز جب بھی ان کے پاس کوئی مہمان آتا اسے زم زم کا تحفہ ضرور دیتے (اخبار مکہ علامہ فاکھی ۱۱۱۷۔۱۱۱۸)

آبِ زم زم مشروب بھی اور غذا و شفا بھی

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آبِ زم زم میں شفا ہے اور یہ بات ہر دور کے واقعات سے بھی متواتر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آبِ زم زم کے ذریعہ ایسے مریضوں کو شفا بخشی جو علم طب کی رو سے لا علاج تھے اور ڈاکٹر حضرات ان کی زندگی سے مایوس تھے۔ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (خيد ماءٍ علي وجه الارض ماء زمزم فيه طعام من الطعم و شفاء من السقم) روئے ارض پر بہترین پانی آبِ زم زم ہے یہ خوراک بھی ہے اور بیماری سے شفاء بھی (معجم کبیر،طبرانی،حدیث ۱۱۶۸) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماء زمزم لما شدب له آبِ زم زم جس نیت سے پیا جائے اس کے مطابق کفایت کرتا ہے (سنن ابن ماجہ حدیث:۳۰۶۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "بخار جہنم کا جوش ہے اسلئے اسے زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کر لیا کرو" (مسند احمد:۱/۲۹۱) حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے ہم آبِ زم زم کو شباعہ کہتے ہیں یعنی سیر کر دینے والا یہ فقر کے خلاف بہترین مددگار ہے (مجمع الذوائد ۳/۲۸۶) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں "ہم لوگ آب زم زم کو خاندان کے گزر بسر کے واسطے بھی بہترین مدد سمجھتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۹۱/۸) حضرت عباسؓ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا زمزم سے سیرابی نفاق جیسے مرض سے بھی نجات دلاتی ہے (یعنی باطل پر بھی اثر کرتا ہے) ایک روایت میں ہے کہ زم زم ہمارے اور منافقین کے درمیان ایک علامت ہے منافقین اس سے شکم سیر ہو کر نہیں پیتے (ابن ماجہ:۲۲۰)

عقیل بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ جب بھی ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ ہوتا تو ہمارے والد ہم کو آبِ زم زم لانے کا حکم دیتے ہم لا کر پیتے تو ہم کو کافی ہو جاتا (کھانے کی حاجت باقی نہ رہتی) اُم ایمن کہتیں ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھوک اور پیاس کی شکایت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح (خالی پیٹ) باہر نکلتے تو آبِ زم زم پیتے، بسا اوقات ہم کھانا پیش کرتے تو ارشاد فرماتے انا شعبان، شعبان میرا پیٹ بھرا ہوا ہے (عمدۃ القاری ۹/۲۷۷) حضرت ابوذرؓ ایک مہینہ تک صرف زم زم پیتے رہے ان کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا لیکن اس

دوران نہ کبھی بھوک لگی نہ کوئی تکلیف محسوس ہوئی وہ خود کہتے ہیں کہ اس دوران نہ تو میرا جگر سست پڑا اور نہ میرے شکم پر (فاقہ سے) سلوٹ آئی پھر اسکا ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا انھا مبارکۃ، انھا طعام طعم آب زم زم بابرکت پانی ہے اور غذا ہے پیٹ بھرنے والا ہے (صحیح مسلم حدیث: ۲۴۷۳) ابوداؤد میں یہ اضافہ ہے وشفاء سقم بیمار کے لئے شفاء ہے (ابوداؤد)

آبِ زم زم کا ذائقہ

آب زم زم کا ذائقہ کچھ نمکین ہے لیکن بے حد خوش ذائقہ بھی، ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اسے کنستر میں رکھیں یا صاف برتنوں یا بوتلوں میں برسوں خراب نہ ہوگا نہ اس کا مزہ بدلتا ہے نہ رنگ نہ اس میں کیڑے پڑتے ہیں کمال تو یہ ہے کہ اس میں جراثیم کش کیمیاوی اجزا موجود ہیں۔

آبِ زم زم کا کیمیاوی تجزیہ

علم الامراض کے پروفیسر ڈاکٹر غلام رسول قریشی کی ذاتی لیبارٹی میں کئے جانے والے تجزیے کے مطابق آب زم زم میں دیگر عناصر کے علاوہ فولاد، میگنیز، جست اور کافی مقدار میں گندھک اور آکسیجن سے مرکب سلفیٹ اور سوڈیم ملتے ہیں۔ان موجودات کی وجہ سے یہ پانی خون کی کمی کو دور کرتا ہے دماغ کو تیز کرتا ہے، اور ہاضمہ کی اصلاح کرتا ہے۔

ڈاکٹر خالد غزنوی اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ عالمی ادارہ صحت نے پینے والے پانی میں صحت کا معیار قائم رکھنے کے لئے جس قدر آکسیجن کو تندرستی کی حد تک درست قرار دیا ہے، زم زم میں آکسیجن کی مقدار اس سے آدھی ہے اس لئے عالمی معیار کے مطابق زمزم کا پینے کے لئے محفوظ اور ہر طرح سے قابل استعمال ہے۔

اجزائے زم زم کے خواص

کیمیائی تجزیے سے معلوم ہوا کہ آب زم زم میں یہ کیمیائی مرکبات پائے جاتے ہیں: میگنیشیم سلفیٹ، سوڈیم سلفیٹ، سوڈیم کلورائیڈ، کیلشیم کاربونیٹ، پوٹاشیم نائٹریٹ اور ہائڈروجن سلفائیڈ۔

میگنیشیم سلفیٹ: یہ ایک سمندری نمک ہے جو جلاب کے کام آتا ہے اس کا استعمال قبض اور پیچش کے لئے مفید ہے یہ عفونتی امراض، سرخ باد، سوزش اور پھوڑوں میں خاص طور پر مفید ہے، پیشاب آور ہے، گردوں

کوصاف کرتا ہے، متلی اور سر درد کے لئے اکسیر ہے، جسم کے بلغمی مادے ختم کرتا ہے اور عورتوں کے امراض میں خاص طور پر مفید ہے اس کے استعمال سے گرمی دور ہوتی ہے۔

سوڈیم کلورائیڈ : یہ خوردنی نمک ہے۔ یہ نوبتی بخار، سبز یرقان، قلت خون، خون کی صفائی، حدت، ہاضمہ، آنت اور مسلسل دردِ شکم، خوراک کی نالی کی جملہ شکایات اور جلدی امراض کے لئے اکسیر ہے، سانس کی صفائی اور جسمانی نظام کی بہتری کے لئے بھی مفید ہے۔ زہر کی متعدد اقسام کے لئے تریاق ہے۔

کیلشیم کاربونیٹ رکٹس : ہڈیوں کی بیماری کے لئے بہت مفید ہے۔ مرض سل کے لئے بھی مفید ہے۔ حیض کی بے قاعدگی پر بھی نہایت اچھا اثر کرتی ہے۔ سر درد، بچوں میں کبڑا پن، درد گردہ، بخار، آنکھوں، کان، ناک، منہ کی تکلیف کیلئے اکسیر ہے۔ خوراک کو ہضم کرنے پتھری کو توڑنے اور وجع مفاصل کے لئے بھی مفید ہے۔ اعضاء کی حدت اور لو کا اثر کو زائل کرتا ہے۔

پوٹاشیم نائٹریٹ : تھکن اور لو کے اثر کو زائل کرتا ہے، پیشاب آور ہے، دمہ کی بیماریاں دور کرتا ہے۔ زم زم کی غیر معمولی ٹھنڈک کی وجہ بھی یہی جز ہے۔ پسینہ بکثرت لاتا ہے۔

ھائیڈروجن سلفائیڈ: یہ تمام جلدی امراض خصوصاً زہر کے لئے اکثیر ہے۔ شدید زکام میں افاقہ کرتا ہے جراثیم کش ہے۔ اس کے استعمال سے ہیضے کے جراثیم ختم ہوجاتے ہیں۔ یہ قوت ہاضمہ، قوت حافظہ کو بڑھاتا ہے۔ بھوک زیادہ لگتی ہے اور بواسیر کے لئے بھی اکسیر ہے۔ سر درد اسہال، امراض مردانہ کے لئے فائدہ مند ہے۔ امراض جلد پھنسیوں، چھائیوں، پرانی کھانسی، نمونیہ، قبض اور پیشاب کی بیمریوں کے لئے انتہائی فائدہ مند ہے۔ تازہ زم زم پینے سے اسکا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ یہ آبِ زم زم کو جراثیم سے پاک رکھتا ہے۔ بہت سے فوائد کے لحاظ سے منفرد اہمیت کا حامل ہے (مستفاد از الشفاء طبی ڈائجسٹ)

ظاہر بات ہے جو پانی اتنی ساری خوبیوں کا مالک ان اجزاء کا حامل وہ کتنی جسمانی بیماریوں کا علاج اور کس قدر خرابیوں کو دفع کرنے والا ہوگا۔ یہ کیمیاوی تجزیہ تو آج ہوا ہے صدیوں پہلے نہ سائنس نہ ہی سائنسی تجزیہ نگار۔ صادق الامین نبی مکرم ﷺ نے اس وقت اطلاع دی تھی کہ اس پانی میں شفاء ہے

مسائل آبِ زم زم

مسئلہ (۱) آبِ زم زم وطن لے جانا اور اعزا دوست واحباب خصوصاً بیماروں، بچوں کو اس برکات سے فائدہ اٹھانے کے لئے دینا مستحب ہے۔ سید عالم ﷺ آب زم زم ساتھ لے گئے اور حضرت حسن وحسین کی آب زم زم سے تحنیک فرمائی اور بیماروں کو پلایا: عن عائشةؓ انها تعمله تخبر ان رسول ﷺ كان يعمله (ترمذی) وفی لاشامية : انه كان يعمله و كان يصبه على المرضى يسقيهم ،و انه حنك به الحسن و الحسين (شافی انوار مناسك ۳۹۹)

مسئلہ (۲) آبِ زم زم حصول برکت کیلئے کفن کو دھونے، غسل میت میں شامل کرنے اور قبروں کے اندر چھڑکنے میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں بلکہ موجب خیر و برکت ہے۔

بذلك العاصى بيد كات تلك الذخيرة من العذاب و من هن القبيل ماء زم زم والكن المبلول به (انوار مناسک: ۳۹۸، فتاوی رحیمیہ ۱/۳۶۲)

مسئلہ (۳) دوسروں کی تکلیف کا خیال رکھتے ہوئے آب زم زم منگوایا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک قریشی کو آب زم زم لانے کے لئے روانہ فرمایا، جب وہ آدمی آبِ زم زم لیکر حدیبیہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف نوش فرمایا بلکہ اپنے ہمراہ مدینہ منورہ لے گئے (تاریخ مکہ ۲۵۲) نیز ابن جریج نے ابن ابی حسینؓ سے روایت کیا ہے حضور ﷺ نے سہیل بن عمرو کو لکھا کہ اگر میرا یہ خط تمہیں رات کو ملے تو صبح نہ ہوا اور دن کو ملے تو شام نہ ہونے پائے کہ میرے لئے زم زم بھر کر روانہ کیا جائے۔ چنانچہ خاصی مقدار میں (دو پکھال بھر) زمزم اونٹ پر روانہ کیا گیا (شام، انوار مناسک: ۳۹۹)

مسئلہ (۴) آبِ زم زم سے وضو اور غسل کرنا بلا کراہت جائز ہے، بلکہ حصول برکت کے لئے مستحب ہے حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں طواف زیارت کے موقع پر زم زم سے وضو فرمایا (تاریخ کعبہ: ۲۵۳) ونیز جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آب زم زم کا ایک ڈول منگوایا اس سے پیا اور وضو کیا۔ (ارواء الغلیل ۱۱۲۴)

مسئلہ (۵) آب زمزم سے استنجاء کرنا، جنابت، حیض ونفاس کا غسل کرنا نیز نجاست حقیقی کا دھونا، ناپاک جگہ گرانا خلاف آداب اور مکروہ ہے۔

آبِ زم زم کھڑے ہوکر پینا

پانی کھڑے ہوکر پینے سے رسول اللہ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا مگر آبِ زم زم کھڑے ہوکر پینا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زمزم کا پانی ایک ڈول سے کھڑے ہوکر پیا۔حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زمزم کا پانی کھڑے ہوکر پیا۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو زمزم کا پانی پلایا تو آپ ﷺ کھڑے ہوکر پیا اور آپ نے بیت اللہ کے پاس پانی طلب فرمایا۔(صحیح مسلم)

اس حدیث کی بنیاد پر تمام فقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آب زمزم کھڑے ہوکر پینا بلا کراہت جائز ہے البتہ مستحب اور مباح ہونے میں اختلاف ہے۔علامہ شرنبلالیؒ آب زم زم کھڑے ہوکر پینے کے قائل ہیں درمختار کی عبارت بھی اس کی طرف مشیر ہے تاتارخانیہ میں لکھا ہے ایشدب الماء قائما الا فی موضعین احدھما ھذا (فضل الوضوء) والثانی عند زمزم یعنی وضو سے بچا ہوا پانی پیتے وقت اور زمزم پیتے وقت کے علاوہ پانی کھڑے ہوکر نہ پییں۔بعض فقہاء نے لکھا ہے آب زمزم کھڑے ہوئے پینے کو زیادہ سے زیادہ مباح کیا جاسکتا ہے۔مستحب نہیں کہہ سکتے۔

والحاصل ان الشفاء الكداهة فی الشدب قائماً فی هذین الموضعین محل الكلا م فضلا عن استحاب القيام فيهما و لعل الا وجه عدم الكراهة ان لم نقل بالاستحاب لمان ماء زمزم شفاء وكذ افضل الوضو (شامی زکریا ۱/۲۵۵ حاشیہ الطحطاوی: ۸۱۷ احسن الفتاویٰ ۴/۵۳۰)

ان اقوال ودلائل سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر اتباع احمد مختار ﷺ کی نیت سے کھڑے ہوکر پیا جائے تو مستحب ہے اور اگر بدونِ نیت آب زمزم کھڑے ہوکر پینا مباح ہے لہذا کھڑے ہوکر پینے کو نہ برا سمجھے اور نہ ہی بیٹھ کر پینے کو خلافِ آداب سمجھیں۔

آدابِ زم زم نوشی

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر روایت کرتے ہیں کہ كنت عند ابن عباس جا لسا فجاء ه رجل فقال من

این جئت؟ قال : من زمزم قال فشربت منها کما ینبغی قال : و کیف؟ قال:اذاشربت منها فاستقبل القبلة واذکر اسم الله و تنفس ثلاثاً و تضع منها فاذ فرغت فاحمد لله عزوجل فان رسول الله ﷺ قال ان آیة ما بیتنا و بین المنافقین انهم لا یتضلعون من زمزم (ابن ماجہ ۲۲۰)

میں حضرت ابن عباس کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک آدمی آیا، حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو، اس نے کہا زم زم سے، حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا کیا تو نے زمزم کو اس کے پینے کے طریقے سے پیا ہے؟۔اس نے کہا وہ طریقہ کیا ہے آپؓ نے فرمایا جب تو اس سے پینے کا ارادہ کرلے تو قبلہ رو ہو جا اور بسم اللہ کہہ کر تین سانس میں خوب سیر ہو کر پی اور جب فارغ ہو جائے تو الحمد للہ کہہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اور منافقین کے درمیان ایک علامت ہے کہ منافقین اس سے سیر ہو کر نہیں پیتے۔

و روی دار قطنی ان عبدالله کان اذا شرب منها قال : اللهم انی اسئلك علمانا فعاً ورزقاً واسعا وشفاء من کل داءِ رسولِ اکرم ﷺ نے آبِ زم زم کھڑے ہو کر پیا اور دعا فرمائی ''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ایسے علم کا جو فائدہ دینے والا ہو اور ایسے رزق کا جو مجھے کھلے دل سے عطا کیا جائے اور مجھے تمام بیماریوں سے شفا مرحمت فرما۔

احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ آب زمزم قبلہ رو ہو کر اپنی مرادوں اور حاجتوں پر توجہ دیتے ہوئے بسم اللہ کہہ کر تین سانسوں میں خوب سیر ہو کر پیئیں جب فارغ ہو جائیں تو الحمد للہ کہیں اور اوپر ذکر کردہ دعا کریں۔ پھر اس سے اپنے چہرے، سر، اور جسم کو پونچھے اور سہولت ہو تو کچھ اپنے بدن پر بہالیں۔

اللہ ہم سب کو آب زمزم کے فیوضات و برکات سے مالا مال فرمائے۔آمین بجاہِ سید المرسلین۔

☆☆☆☆☆

نعتِ رسولِ مقبول

از: مولوی سید نیاز احمد جمالی آمری
پرنسپل دار العلوم جمالیہ۔ چنئی

مصطفیٰ کی دل میں الفت چاہئے
سرورِ عالم سے نسبت چاہئے

میرے آقا کی غلامی میں رہو
گر تمہیں اللہ سے جنت چاہئے

روضہ انور کا جلوہ ہو نصیب
ہم کو ایسی ایک نعمت چاہئے

ربِ اکرم کی عنایت کے لئے
احمدِ مرسل کی رحمت چاہئے

حق تعالیٰ کی خوشی کے واسطے
شاہِ دوعالم کی سیرت چاہئے

راحتِ قلب و نظر پائینگے ہم
ہادیٔ عالم کی صورت چاہئے

جاؤ گے طیبہ غلامانِ رسول!
تمکو مولیٰ کی اجازت چاہئے

مغفرت ہوگی تمہاری عاصیو!
انکی محشر مین شفاعت چاہئے

اے نیازی کامیابی کے لئے
تجھکو آقا کی اطاعت چاہئے

انگور ایک شیریں میوہ اور دوا

از: ڈاکٹر نعمان باشاہ ایم اے

بی یو ایم ایس

اللہ نے انسان کو پیدا کیا تو اسکی زندگی کے گزر بسر کے لئے وہ تمام چیزیں بھی پیدا کر دی ہے جن کے ذریعہ زندگی کا قافلہ رواں دواں رہ سکے اور اسکی صحت تندرستی برقرار رہ سکے اور بیماریوں سے اسکی حفاظت ہو سکے۔ اللہ نے بیماری پیدا کی تو اسکے ازالہ اور خاتمہ کے لئے دوائیں بھی پیدا کر دی ہے اب انسان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی عقل وفہم اور مطالعہ و تحقیق کے ذریعہ ان باتوں کا علم حاصل کہ کن چیزوں کے استعمال سے کون کونسی بیماریوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔

اللہ نے انسانوں کے لئے مختلف قسم کے غلے، اناج، سبزیاں، ترکاریاں اور میوے بڑی کثرت کے ساتھ پیدا کئے ہیں۔ ان پھلوں میں موسمی اور غیر موسمی ہیں اور موسم کے لحاظ سے پھلوں میں تاثیرات بھی رکھ دی ہے کیونکہ موسم کی تبدیلی سے انسانوں کی صحت پر اچھے اور برے اثرات ہوتے ہیں۔ ان اثرات کے جو بھی برے اثرات ہیں ان کو پھلوں کے ذریعہ دور کیا جا سکے، اللہ ان پھلوں میں حیاتیاتی جوہر اور بیماری سے شفاء کی نعمت رکھی ہے۔ ہر پھل میں الگ الگ طریقے سے قوت وطاقت، لذت وکیفیت اور ذائقہ رکھا ہے۔ گویا پھل انسان کے لئے غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے۔ بیماری کو دور کرنے کی قوت اور صحت بخشنے کی طاقت رکھی ہے۔

حکماء کا خیال ہے کہ اکثر میوؤں اور پھلوں میں بدن پروری اور طاقت بخشنے اور صحت رسانی کی ایسی صلاحیت موجود ہے کہ اس کے مقابلہ میں دواؤں کی صلاحیت کمزور پڑ جاتی ہے اسکی بڑی وجہ یہ ہوسکتی ہے پھل خالق کا عطیہ ہے اور اس میں قدرتی طور پر فائدہ کا سامان موجود ہے، دوا مخلوق کے ذہن کا عطیہ ہے اس اعتبار سے دونوں میں فرق کا ہونا ایک لازمی چیز ہے۔

میوہ اور پھل اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے پھلوں میں انگور ایک بہت بڑی نعمت ہے اور یہ انتہائی قوت بخش اور لذیذ ہوتا ہے اور اسکے استعمال سے کئی ایک بیماریاں دور ہو جاتی ہیں اور یہ غذائیت سے بھرپور میوہ ہے جسکے کھانے سے آدمی کی صحت تندرستی قائم رہتی ہے۔

انگور کو عربی زبان میں عنب کہتے ہیں اسکی جمع اعناب آتی ہے قرآن شریف میں جمع لفظ آیا ہوا ہے ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منه سکراً ورزقاً حسناً (النحل) کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم شکر اور دوسری عمدہ غذائیں بناتے ہو۔ اور احادیث میں بھی انگور کا ذکر موجود ہے۔ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی صاحب نے اپنی کتاب "مرض اور مریض احادیث کی روشنی میں" میں لکھا ہے۔ "انگور زمانہ نبوت میں مستعمل تھا اور صحابہ کرام اسکی تجارت کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور تناول فرمایا ہے۔ اسکا ذکر حدیث طائف میں موجود ہے۔ اس سفر میں اوباشوں اور بد معاشوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر گالیاں دیں۔ تالیاں کہ آپ ﷺ ایک مکان کے احاطے میں جانے پر مجبور ہو گئے، یہ جگہ عقبہ اور شیبہ فرزندان ربیعہ کی تھی۔ انہوں نے دور سے اس حالت کو دیکھا اور نبی ﷺ پر ترس کھا کر اپنے غلام عداس سے کہا کہ ایک پلیٹ میں انگور رکھ کر اس شخص کو دے آؤ۔ غلام نے انگور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا اور زبان سے فرمایا بسم اللہ اور پھر انگور کھانے شروع کئے۔

انگور درجہ اول میں گرم اور تر ہے۔ اسکی بہت سی قسمیں ہیں۔ سب سے بہترین قسم میٹھا انگور ہے جسکا چھلکا نازک ہو، اور دانہ بڑا ہو بیج کم ہو، اسکی غذائیت سارے میووں سے زیادہ قوت بخش ہے۔ انگور جسم کی لاغری دور کرتا ہے، خون صاف کرتا ہے، اسکا زیادہ استعمال گردہ کی چربی کو بڑھا دیتا ہے۔ سودائی امراض کو کم کرتا ہے، سینہ اور پھیپھڑے کے لئے مفید اور موافق ہے اور جس آدمی کے معدہ میں ریاح اور رطوبت زیادہ ہو اس کے لئے انگور کا استعمال نقصان دیتا ہے۔ اسی طرح جس شخص کے جگر میں غلیظ مواد ہونے کی صورت میں نقصان پہنچاتا ہے۔ انگور کا مصلح زیرہ اور سونف ہے۔ کھانا کھانے کے بعد انگور نہیں کھانا چاہئے اس صورت میں نقصان دیتا ہے۔ اس کے کھانے کا بہترین اور مناسب وقت دو کھانے کے (ناشتہ اور دوپہر کا کھانا۔ یا دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا) کے درمیان ہے۔

انگور سے متعلق حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کو پختہ ہونے سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے امام ترمذی کی حدیث ہے عن رسول اللہ ﷺ عن بیع العنب حتی یسور (رواہ الترمذی) اس ممانعت کی وجوہات مختلف ہو سکتی ہیں۔ فقہائے کرام نے اپنے ذوق کے مطابق احکام مستنبط کئے ہیں اس مقام پر ہمیں طبی نقطۂ نظر سے ممانعت کی وجہ بیان کرنی ہے، وہ یہ ہے کہ انگور پختہ اور رسیدہ سے پہلے خام پنے میں کسیلا ہوتا ہے اور ایسے انگور کا استعمال صحت کے لئے نقصاندہ ہے۔ اطباء کے نزدیک ایک کسیلا جوہر، سودا کا کثیف ہے اور جیسے جیسے اعتدال سے قریب ہوتا ہے اسکی شیرنی مین اضافہ ہوتا ہے۔ انگور خام حالت میں موٹا اور گاڑھا ہوتا ہے اور وہ معدہ سے بڑی

دیر سے اترتا ہے اور یہ صورت حال صحت کے لئے نقصاندہ ہے۔

غرض غیر پختہ انگور کی خرید و فروخت سے ممانعت کا طبی سبب یہ ہوسکتا ہے کہ لوگ ایسے انگور کے استعمال سے بچیں اور اپنی صحت کی حفاظت کریں۔

انگور کا حیاتیاتی نام "Vitis Vinifera" ہے۔ یہ سخت سرد یا سخت گرم اور مرطوب آب وہوا والے علاقہ جات کے علاوہ دنیا کے تمام حصوں میں پیدا ہوتا ہے۔ یعنی سطح سمندر سے لیکر 10,000 فٹ تک کی بلندی تک اگایا جاسکتا ہے لیکن پہاڑی اور نیم پہاڑی علاقہ جات تقریباً 6000 فٹ کی بلندی تک اس کی کاشت کے لئے نہایت موزوں ہیں۔ انگور کی کاشت پودے سے پودا 8 فٹ اور قطار سے قطار 10 فٹ فاصلے کے مطابق کی جاتی ہے اس طرح ایک ایکڑ میں پودوں کی تعداد 550 بنتی ہے۔ یہ پودا ایک بیل کی صورت میں اگتا ہے اور اس کا پھل گچھوں کی صورت میں ہوتا ہے۔

آب وہوا کے اعتبار سے یہ سرد اور معتدل علاقوں کا پھل ہے اور 30oc سے 42oc درجہ حرارت تک بخوبی بڑھتا ہے۔ انگور کی بیل زیادہ اور کم درجہ حرارت کو کافی حد تک برداشت کرلیتی ہے، خشک اور نیم گرم درجہ حرارت اس کی مناسب افزائش اور پھل کی نشونما کے لئے بہت ہی مفید ہے موسم گرما کی بارش اس کے پھل پکنے کے لئے ایک شدید خطرہ ہے۔ اس وقت زیادہ رطوبت کے باعث پھل پھٹ جاتا ہے اور پھل گلنے سڑنے لگتا ہے۔

انگور کی کاشت کے لئے مختلف قسم کی زمین مثلاً ہلکی زمین سے لے کر چکنی زمین انگور کی کاشت کے لئے بے حد موزوں ہے جب انگور کی بیل ریتیلی اور کنکریلی زمینوں پر کاشت کی جائے تو اسے زمین میں کاشت شدہ انگور کا پھل بہ نسبت چکنی زمینوں کے جلد پک جاتا ہے جو کہ باغبانوں کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے۔

انگور کی بے شمار اقسام ہیں، انگور کی تین بنیادی خصوصیات ایسی ہیں کہ سوائے انار کے دوسرے پھلوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی "کثیر الغذا ہے" "زود ہضم" ہے "خون صالح کرتا ہے"۔

انگور محض پیٹ بھرنے والی یا لذت کام ودہن بخشنے والی نعمت نہیں بلکہ یہ جسم میں تازہ اور مصفی خون بھی پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے تمام ڈاکٹر اور حکیم اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ انسان کی تندرستی کا دارومدار جگر کی صحت و درستگی پر موقوف ہے اگر جگر خون پیدا کرنا بند کردے تو انسانی صحت جواب دے جاتی ہے جسم کمزور ہو جاتا ہے رنگ پیلا پڑ جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جن افراد میں خون کی کمی ہوتی ہے وہ اکثر لاغر اور کمزور ہوتے ہیں نئے خون کی پیداوار کے بغیر جسم سوکھنا شروع ہو جاتا ہے قدرت نے انگور کو یہ خوبی بخشی ہے کہ اس کے استعمال سے صاف خون پیدا ہوتا ہے، انگور کی دوسری بڑی خوبی اس کا

زود ہضم ہوتا ہے اس کے استعمال سے طبیعت بوجھل ہوتی ہے اور نہ معدے میں کسی قسم کی گرانی پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک کثیر الغذا پھل ہے اس کے اندر گذائیت اور توانائی کے بھر پور خزانے ہیں۔ خصوصاً اس پھل پر جب پختگی آتی ہے اس کی ایک مناسب مقدار ناشتہ کے ساتھ کھانا کھانے کے بعد کھائی جائے تو اچھے سے اچھے گوشت اور اعلیٰ ترین پروٹین اور روتا منزوالی غذاؤں سے بھی بہتر ثابت ہوتا ہے۔

انگور کی تین اقسام زیادہ مشہور اور مقبول ہیں، سفید، سرخ اور سیاہ انگور کی ان اقسام میں مفید قسم سب سے زیادہ مقبول ہے اور فائدہ مند ہے لیکن اس انگور کو کچا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ خام اور کچے انگور میں وہ غذائیت شیرنی اور قوت نہیں ہوتی جو پکے ہوئے انگور میں ہوتی ہے پکا ہوا شیرین انگور قبض کشا ہوتا ہے زیادہ کھانے سے اسہال لاتا ہے اس کے خشک پھل کو کشمش کہتے ہیں۔ بعض حکماء کے نزدیک جو خواص تازہ انگور میں پائے جاتے ہیں وہی کشمش اور منقیٰ میں پائے جاتے ہیں اگر تازہ دستیاب نہ ہوں تو کشمش استعمال کی جاسکتی ہے جو بہت حد تک انگور کا نعم البدل ہے۔

گریپ فروٹ کم کیلوریز والا غذائی اجزاء سے بھر پور صحت بخش پھل ہے۔ وٹامن سی، پوٹاشیم، ریشہ، لائی کوپین، اور مانع تکسیدی مرکبات کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ پھل میں سڑک ایسٹ قدرتی شوگرز اور فراری تیل بھی پایا جاتا ہے۔

گریپ فروٹ میں ہاضم (Digestive) مقوی معدہ۔ دافع عفونت (Antiseptic) ٹانک اور مدر خصوصیات پائی جاتی ہیں اس کا بالائی کوپین جز وغدہ قرامیہ کے سرطان (پراسٹیٹ کینسر Prostate Cancer) کے خطرہ کو کم کرتا ہے۔ حل پذیر ریشہ خون میں لولیسٹروں کی سطح کو کم کرتا ہے۔ جوڑوں کے درد اور سوزش میں مفید ہے تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ جو لوگ جوڑوں کے درد اور دوسری سوزش کی بیماری میں مبتلا تھے انہیں گریپ فروٹ کے استعمال سے فائدہ پہنچا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ گریپ فروٹ میں موجود کیمیائی مرکبات Prostagiaudins کو روکتے ہیں جو سوزش کا باعث بنتے ہیں۔ گریپ فروٹ میں موجود Terpenes limonoids کینسر سے محفوظ رکھنے والے ایک خامرہ (انزائم) کی پیداوار میں مدد دیتا ہے۔ گریپ فروٹ کے بائیوفیلوونائیڈز ان ہارمونز کے عمل کو کم کرتے ہیں جو رسولی (ٹیومر) بننے میں مدد دیتے ہیں۔ "بوعلی سینا" نے لکھا ہے انگور سے جو خون بنتا ہے اس میں انجیر کے خون کی طرح خرابی کم ہوتی ہے اور اسی کی طرح کثرت سے بنتا ہے اگر چہ اتنا نہیں بنتا جتنا انجیر سے بنتا ہے انگور کا رس آنکھ میں لگانے سے آنکھ کی کھجلی بھی جاتی ہے۔ اللہ کرے کہ ہم ان پھلوں کی قدر و قیمت کو جان لیں اور ان کے اندر جو فوائد ہیں ان سے فائدہ حاصل کریں۔

احسن الکلامِ مبین

ربِ کعبہ محمدؐ کے نام
تیری عظمت ہے جتنی تمام
جن کی خاطر یہ دنیا بنی
اور جتنے ہیں اُن کے غلام
میرے آقاؐ پہ اُتنے درود
میرے آقاؐ پہ اُتنے سلام
جتنے ارض و سماوات ہیں
جتنے تیرے کرشمات ہیں
نالے ندیاں سمندر کے اور
جتنے پانی کے قطرات ہیں
میرے آقاؐ پہ اُتنے درود
میرے آقاؐ پہ اُتنے سلام
جو فضاؤں میں ذرّات ہیں
جتنے سورج کے لمعات ہیں
دونوں عالم میں موجود جو
سارے انساں و جنّات ہیں

میـــرے آقـــاؐ پـــہ اُتـــنـــے درود
میـــرے آقـــاؐ پـــہ اُتـــنـــے سـلام

جتنے بھی تیرے عطیات ہیں
جو زمیں کے نباتات ہیں
جتنے اشیاء زمانے میں ہیں
جتنے بندوں پہ سوغات ہیں

میـــرے آقـــاؐ پـــہ اُتـــنـــے درود
میـــرے آقـــاؐ پـــہ اُتـــنـــے سـلام

گزرے جتنے بھی دن رات ہیں
باقی جتنے بھی دن رات ہیں
جتنی دنیا کی تاریخ ہے
اس کے جتنے بھی لمحات ہیں

میـــرے آقـــاؐ پـــہ اُتـــنـــے درود
میـــرے آقـــاؐ پـــہ اُتـــنـــے سـلام

بیل بوٹے شجر جتنے ہیں
پھول پتے ثمر جتنے ہیں
ریگ زارے و کنکر ہو یا
کوہسار و حجر جتنے ہیں

میرے آقا ﷺ پہ اُتنے درود
میرے آقا ﷺ پہ اُتنے سلام

جنگلوں میں درند جتنے ہیں
چوپائے چرند جتنے ہیں
جتنے پروانے جگنو مگس
اور اڑتے پرند جتنے ہیں

میرے آقا ﷺ پہ اُتنے درود
میرے آقا ﷺ پہ اُتنے سلام

جتنی باغوں میں ہیں تتلیاں
جتنی پانی میں ہیں مچھلیاں
چاند تارے ہو یا کہکشاں
جو گھٹاؤں میں ہیں بجلیاں

میرے آقا ﷺ پہ اُتنے درود
میرے آقا ﷺ پہ اُتنے سلام

جتنے تیرے زمانے بنے
رزق کے جتنے دانے بنے
انبیاء اصفیاء اولیاء
جتنے تیرے دیوانے بنے

میرے آقا ﷺ پہ اُتنے درود
میرے آقا ﷺ پہ اُتنے سلام

دو جہاں میں خزینے جو ہیں
اور زمیں میں دفینے جو ہیں
لعل یاقوت و مرجان اور
ہیرے موتی نگینے جو ہیں

میرے آقا ﷺ پہ اُتنے درود
میرے آقا ﷺ پہ اُتنے سلام

جتنے صالح و ابرار ہیں
جتنے دنیا کے اسرار ہیں
جتنے الفاظ و کلمات ہیں
جتنے نعتوں کے اشعار ہیں

میرے آقا ﷺ پہ اُتنے درود
میرے آقا ﷺ پہ اُتنے سلام

جتنی شہداء کی ہیں نیکیاں
تیرے ولیوں کی ہیں نیکیاں
جتنے حفاظ و حجاج کی
نیک بندوں کی ہیں نیکیاں

میرے آقاؐ پہ اُتنے درود
میرے آقاؐ پہ اُتنے سلام

دہر میں جو کتابات ہیں
اور ان میں جو صفحات ہیں
جو سوالات ان سب میں ہیں
اور جتنے جوابات ہیں

میرے آقاؐ پہ اُتنے درود
میرے آقاؐ پہ اُتنے سلام

جتنی دنیا کی مخلوق ہے
جتنی پانی کی مخلوق ہے
خالق کل ہے مولیٰ تو ہی
تیری جتنی بھی مخلوق ہے

میرے آقاؐ پہ اُتنے درود
میرے آقاؐ پہ اُتنے سلام

رنگ رنگ کے حجر جتنے ہیں
جنتوں میں شجر جتنے ہیں
حور و غلماں و سارے ملک
اور فرشتوں کے پر جتنے ہیں

میرے آقا ﷺ پہ اُتنے درود
میرے آقا ﷺ پہ اُتنے سلام

جتنے دنیا میں قصرات ہیں
ساتوں جنت میں محلات ہیں
نہر تسنیم و کوثر کے اور
آبِ زم زم کے قطرات ہیں

میرے آقا ﷺ پہ اُتنے درود
میرے آقا ﷺ پہ اُتنے سلام

جتنے اب تک پڑھے ہیں دورد
جتنے امت نے بھیجے درود
مولیٰ تو اور فرشتے تیرے
جتنے بھیجے سلام و درود

میرے آقا ﷺ پہ اُتنے درود
میرے آقا ﷺ پہ اُتنے سلام

کعبہ کے جو عبادات ہیں
قدر کی شب کے درجات ہیں
جو ہیں رمضان کی نیکیاں
ان کے جو بھی حسابات ہیں

میرے آقاؐ پہ اُتنے درود

میرے آقاؐ پہ اُتنے سلام

ناتواں ہے زبانِ مبینؔ

پھر بی اسکو ہے تجھ پر یقین

تیرے محبوبؐ کے ہی طفیل

سن لے اب التجائے مبینؔ

میرے آقاؐ پہ اتنے درود

میرے آقاؐ پہ اتنے سلام

مبینؔ منور

نمبر702/1، آٹھواں مین، دوسرا بلاک، پہلا اسٹیج، ہچ بی آر لے آوٹ، بنگلور43

انسان جسمانی اور روحانی مرکب ہے

از: سلطان سرور علی شاہ حسینی قادری سروری (شفیع احمد)
موظف ڈپٹی مینیجر کو یکا، بنگلور

قرآن میں عبادات اور معاملات کے متعلق ایک سو پچاس آیات ہیں جبکہ مطالعہ کائنات کے بارے میں سات سو چھپن آیات موجود ہیں

انسان جسے کہتے ہیں وہ جان ہے (جان نہ عناصر ہے نہ عناصر کی ترکیب بلکہ جان ایک نور ہے)

اور جان قلب ہے۔اور قلب ؟لا مکان ہے...... قلب المومن عرش اللہ تعالیٰ......مومن کا قلب اللہ کا عرش ہے قلب وہی ہے جو اسم اللہ ذات کا تخت عظمت ہے اور اس کا ٹھکانہ ناف کے نیچے سے مغز دماغ تک ہے۔قلب جسے کہتے ہیں وہ نفس ہے اور نفس جسے کہتے ہیں وہ دم ہے۔دم ایک نور ہے (اور نور اسم ھو کا مظہر ہے) سانس کو حرکت دینے والا دم ہے اور دم کو حرکت دینے والا اسم اللہ۔ھو۔ ہے اور دم سے آدم ہے۔ یہ دم کیا ہے؟ یہ دم ہی حضرت انسان میں مظہر العجائب والغرائب ہے (انوکھی شئی۔مسافر ہے) اور دم جسد انسانی میں سلطان کی مانند ہے۔تیری ذات نور محمدی ﷺ سے ہے یعنی ذات انسانی نور ہے، رب بھی نور ہے روح بھی نور ہے اور قلب بھی نور ہے معلوم ہوا کہ نور ہی نور کا دیدار کر سکتا ہے ورنہ غیر نور نار ہے اور نور کی ضد ہے

جب اس کی خواہش ہوئی کہ خود کو ظاہر اور پیدا کرے اور اس کی ذات میں جو صفتیں ہیں ان کو آشکار فرمائے تو اپنے نور کو اس عالم ظاہر کا روپ بخشا اور اپنی ذات کو خلق کا لباس پہنایا

جب میں نے اپنی ذات کو ظاہر کرنا چاہا تو اپنی صفات کو خود آراستہ کیا۔اور ہر صورت میں اپنی ذات کو دکھایا کبھی آدم کی شکل میں اور کبھی حوا کی صورت میں۔

اب یہ بھی سمجھ لو کہ وہی نور مذکور جو پوشیدہ تھا جب عالم لاہوت سے عالم جبروت مین آیا تو اپنا نام روح رکھا اور جب عالم جبروت سے عالم ملکوت میں آیا تو اپنا نام قلب رکھا، اور جب عالم ملکوت سے عالم ناسوت میں آیا تو اپنا نام قلب و جسم رکھا۔

چاروں عناصر کی اصل نور ہے جب نور نزول کر کے عالم کثیف میں آتا ہے نار ہو جاتا ہے جب نار کثیف ہوتا ہے

بادہوجاتا ہے اگر متحرک ہوتو باد ہے ورنہ ہوا ہے۔اور باد کثیف ہونے کے بعد آب ہوجاتا ہے اور جب آب ہوتا ہے خاک ہوجاتا ہے۔ یہ سب ایک وجود ہے (یعنی سب کا وجود ایک ہی ہے) اور ایک ہی نور کی مختلف صورتیں ہیں

حدیث قدسی لا یسعنی ارض و لا سمائی ولا کن یسعنی قلب عبدی المومن ......میں نہ زمین میں سما سکتا ہوں نہ آسمان میں ہاں بندے مومن میں سما سکتا ہوں۔

حدیث پاک میں آتا ہے قلوب الانسان بیت الرحمٰن ۔انسانوں کے قلوب اللہ کے گھر ہیں......مومن اور کامل انسان کا قلب بمانند کعبہ ہوجاتا ہے اور وہی قبلہ ہوجاتا ہے اور یہاں وہ سجدہ ریز ہوکر لبیک یا عبدیؐ کی آواز سنتا ہے

مومن اللہ کی نوری صفت کا نام ہے یعنی مومن وہ ہوتا ہے جو صفت مومن کا مظہر ہو۔قلب مومن ہی ہے جسے عرش اللہ بیت اللہ کے خطاب سے نوازا گیا۔قلب سلیم' قلب شہید' قلب منیب' قلب مومن کی ہی صفات کا نام ہے

انسان اپنی ذات میں ایک کائنات اصغر ہے لہذا جن عناصر سے مل کر یہ کائنات بنی ہے ان کی موجودگی انسان کی جسمانی طبعی ساخت میں بھی ضروری ہے

جو اسباب معاش ظاہری و باطنی کو لاحق ہوتی ہیں اور یہ کہ ان آفات سے بچنے کا کیا طریقہ ہے تا کہ اس علم کا جانے والا اپنے معاش کے تمام اسباب میں صاحب بصیرت ہوجائے چنانچہ اسے یہ معلوم ہوجائے کہ دونوں جہانوں میں اسے خاص طور پر کونسی چیز نفع رساں ہے اور کونسی ضرر رساں۔اس میں علم طب کی ایسی کامل معرفت بھی شامل ہے جو نفس الامری ہو اور یہ یا تو ظاہری ہے جس کا تعلق ظاہری معاش کی بہتری کے ساتھ ہے یا باطنی جس کا تعلق معاش باطنی کے ساتھ ہے

اللہ تعالی کا کُن فرمانے سے عالم ظہور میں تین صفات نے تکمیل پائی۔قوت ایجاد، قوت قیام، اور قوت فنا۔ان ہی قوتوں کے نابرابر حرکت میں آنے سے مادی دنیا کا ارتقا ظاہر ہوا، اور پھر جب یہ تین بحالت مساوی لوٹ کر برابر ہوجائیں گئے تو دنیا کا خاتمہ ہوگا ان تین قوتوں کے جاری ہونے کے بعد کائناتی قانوں فاعل فعل اور مفعول میں کام کرنے لگا اللہ تعالی نے کوکب شمس اور دوسرے کواکب کو قائم کیا ۔کواکب اپنے افعال وحرکات کو سرانجام دینے لگے تو ان کے اندر کئی مقامات پر خلا دکھائی دینے لگا جسے ہم آسمان کہتے ہیں۔درحقیقت خلا کوئی خالی چیز نہیں بلکہ یہ بھی نظر نہ آنے والے نہایت لطیف برقی ذرات سے پر ہے۔

سائنس سے ثابت ہوا ہے کہ اس کائنات کا ہر ذرہ اپنے کل کا ایک جز ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ وجود انسانی کی تر

کیب بھی انہی قوانین اور طاقتوں کے تابع ہے۔ جیسے مادہ منویہ کے ایک قطرہ میں ایک زندہ انسان کا وجود پوشیدہ ہوتا ہے .ذات لافانی کا ایک اٹل قانان ہر شئی اور ہر مقام پر ہر ذرے میں قائم ہے اور ہم بھی اسی کائنات کا ایک ذرہ ہیں۔ ایسا ذرہ جو روح اور جسم دونوں چیزوں کا مرکب ہے اور ہم اس کلیت کا ایک جزو ہیں۔ قانون قدرت میں ہر جز وخود بھی بطور کلیت ظاہر ہوا ہے۔ تمام نظام عالم ایک ہی مادے سے ترکیب پا کر وحدت سے کثرت اور کثرت سے وحدت کی طرف حرکت کر رہا ہے۔ کل کائناتی عناصر کی لطیف ترین آمیزش ہر جگہ ایک جیسی ہے اور سائنسدانوں کا بھی اس پر اتفاق ہے۔ آدمی کے بڑے جسم کے اندر چھوٹے جسم پوشیدہ ہیں۔ نظام عالم کا فطری پروگرام آدمی کی ایک مکمل حیات مین بھی کام کرتا ہے.

قرآن میں متعدجگہ بروج کا ذکر آیا ہے

جسم انسانی اور بروج۔ بروج میں قدرت کا ظہور اس طرح محیط ہے جیسا سورج کائنات میں نور پھیلاتا ہے۔ بروج کا جسم کے اعضاء سے تعلق ہمیں نظام جسمانی کے اس قانون کی طرف متوجہ کرتا ہے جو قدرت نے اس سے مربوط کیا ہے

چونکہ بارہ بروج ہیں اور چار عناصر، سات ستارے ہیں

بروج کی تقسیم جسم کے اعضاء پر بھی ہوتی ہے۔ ہر بروج جسم کے کسی نہ کسی حصے پر حکومت کرتا ہے۔

.1 حمل سر پر حکومت کرتا ہے۔ 2.ثور گردن پر حکومت کرتا ہے .3. جوزا بازو پر حکومت کرتا ہے 4.سرطان چھاتی پر حکومت کرتا ہے-5. اسد دل پر حکومت کرتا ہے 6.سنبلہ انتڑیوں پر حکومت کرتا ہے 7.میزان سرین (چوتڑ) پر حکومت کرتا ہے 8.عقرب اعضاء مخصوص پر حکومت کرتا ہے 9. قوس ران پر حکومت کرتا ہے 10.جدی گھٹنے پر حکومت کرتا ہے 11. دلو ٹانگوں پر حکومت کرتا ہے 12.جوت پاوں پر حکومت کرتا ہے

صفت جمادات۔ بیٹھنا ہے، صفت نباتات۔ کھڑے رہنا ہے، صفت حیوانات۔ چلنا، کھانا اور پینا ہے صفت انسانات ۔بندگی اور عبادت کرنا ہے۔ جنتی کی صفتے۔ امر بالعروف کا بنالانا ہے اور صفت جہنمی۔ نہی عن المنکر کا ارتکاب کرنا ہے

آدم کی بناوٹ میں سات قسم کی مٹی، سات قسم کا پانی، سات قسم کی ہوا، سات قسم کی آگ لی گئی

سات قسم کی مٹی۔ سیاہ، سفید، سرخ، میٹھی، کھاری، نرم، خشک،

ساتھ قسم کا پانی ہے

تجری من تحت ھاالانھر۔ جس طرح جنت میں نہریں ہیں اس طرح انسان میں سر ذات سے سات نہریں جاری ہیں

اور سارے جسم میں نیچے کی طرف دوڑتی ہیں

شہد کی نہر۔ دودھ کی نہر۔ شرابا طہور کی نہر۔ پانی کی نہر۔ فرات کی نہر۔ اجاج کی نہر۔ کوثر کی نہر آب فرات۔ شیریں یا میٹھا پانی۔۔آب اجاج۔ کھارا پانی۔۔آب سلسبیل۔ پاک وشفاف خوشنما پانی۔ آب تسنیم۔ خوشبودار پانی

آب کوثر۔ جس کو پیتے ہی انسان دنیا کا درد بھوک پیاس بھول جائیں۔ آب رحیق۔ پاک نشے دار پانی۔ آب رحمت۔ رحمت والا پانی

آدم میں بھی کھارا، میٹھا، کڑوا، پھیکا، تیزابی، سادہ (معتدل) زندگی بخش آب حیات پانی

سات ہوائیں: تیز ہوا۔ گرم ہوا۔ دھیمی ہوا۔ سرد ہوا۔ معتدل ہوا۔ رحمت کی ہوا۔ فقط ہوا۔

سات آگ: آگ کے اوصاف ہمیشہ اوپر اٹھنا، اپنے گرد گرمی پیدا کرنا، روشنی دینا، دھواں پیدا کرنا، جلنا جلانا، بھڑک اٹھنا ہے

دھواں والی آگ۔ بغیر دھواں والی آگ۔ سرخ آگ۔ پیلی آگ۔ نیلی آگ۔ تیز ودھیمی آگ۔ سیاہ آگ

سیاہ آگ۔ شہوت۔ سرخ آگ۔ غصہ۔ پیلی آگ۔ حسد۔ نیلی آگ۔ لالچ۔ دھوں والی آگ۔ کینہ پن۔ بے دھوں والی آگ۔ تکبر

تیز آگ۔ بھوک پیاس

مٹی کی صفت بو ہے، ہوا کی صفت چھو کر احساس دلانا ہے، پانی کی صفت لذت ہے، آگ کی صفت نظر آنا ہے، صفت نفس حرکت کرنا ہے، صفت دل مستقیم ہے، صفت روح بینائی ہے، صفت روح سفلی ممکن ہے صفت علوی ممتنع ہے، صفت نورانی ہے، صفت عاشق دیکھنا ہے صفت معشوق دکھانا یا نظر آنا ہے

حواس خمسہ پانچ ہیں

کان سے صرف آوازیں سن سکتے ہیں۔ اس کے سوا ہرگز کسی اور چیز سے واقف نہیں ہوسکتی۔ آنکھ سے رنگ اور شکل دیکھ سکتے ہیں۔ اس دو کے سوا ہرگز کسی اور چیز سے واقف نہیں ہوسکتی۔ ناک سے بوئیں سونگھ سکتے ہیں۔ اس کے سوا ہرگز کسی اور چیز سے واقف نہیں ہوسکتی۔ منہ سے مزے چکھ سکتے ہیں۔

اس کے سوا ہرگز کسی اور چیز سے واقف نہیں ہوسکتی اور ہاتھوں سے ٹھنڈا، گرم، سخت، نرم چار چیزیں محسوس کر سکتے

ہیں۔ان چار کے سوا ہرگز کسی اور چیز کو سے واقف نہیں ہوسکتی۔

اورانسان دوطرح کی لذتوں سے بہرہ مند ہوتا ہے۔لذتوں کی ایک قسم وہ ہے جوانسان کی کسی ایک حس سے تعلق رکھتی ہے کہ اِس وقت حاصل ہوتی ہے جب کسی بیرونی شیء یہ مادہ سے جسم کے کسی عضو یہ حصہ سے تعلق ہوتا ہے، جیسے وہ لذت جو آنکھ کو دیکھنے، کان کو سننے اور زبان کو چھکنے اور ہاتھ وغیرہ کو چھونے کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔

اورلذتوں کی دوسری قسم وہ لذتین ہیں جوانسان کی روح اور ضمیر کی گہرائیوں سے تعلق رکھتی ہیں وہ جسم کے کسی خاص حصہ یہ عضو سے متعلق نہیں ہیں نہ ہی کسی بیرونی مادے سے رابطہ برقرار ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے وہ لذت جوانسان کواحسان وخدمت سخاوت احترام اپنی کامیابی پر یا اپنی اور کسی کامیابی سے حاصل ہوتی ہے نہ تو اِس کا کسی خاص عضو سے تعلق ہے اور نہ کسی بیرونی مادی چیز کے براہ راست ماتحت ہیں۔روحانی لذتیں مادی لذتوں سے زیادہ طاقتور بھی ہیں اورزیادہ دیرپا بھی

اُن علوم کی معرفت جن کا تعلق کونین کے احوال کی ساتھ ہے

کونین سے مراد عالم علوی اور عالم سفلی ہے۔عالم کا انحصار سات امور پر ہے،عناصر اربعہ یعنی پانی ،مٹی، آگ، ہوا اور مرکبات ثلثہ پر یعنی نباتات، حیونات اور معدنیات پر۔لہذ اعلم کامل میں ان اشیاء کی حقیقت کو کامل طور پر جاننا ضروری ہے، نیز ان کی امتیازی خاصیتوں کا علم، ان میں نفع رساں اور ضرر رساں اشیاء کا علم، ان کی قوتوں کا علم اور ان قوتوں میں ان کے تمام افراد کے اختلاف کا علم بھی ہو۔

انسان کے جسم میں چار اخلاط۔خون۔بلغم۔صفرا۔سودا ہوتے ہیں اس کے جسمانی مادی وجود میں ظاہر ہوتے ہیں اس سے مزاجی کیفیاتی یا کردار اور شخصیت کی ذریعہ سے بھی پہچانے جاتے ہیں یہ چار عناصر جو کائنات میں موجود ہیں آگ ۔پانی۔ہوا۔مٹی وہی انسانی ذات میں بھی ہیں اور انسانی ذات میں خون، سودا، بلغم اور صفرا ہیں وہی انسانی شخصیت میں چار بنیادی یفیتیں ہیں جن کو ظاہر مزاجی کیفیتیں کہا جاتا ہے

ہوا۔گرم اور مرطوب۔۔خون۔۔ دموی مزاج۔۔جوشیلا، زندہ دلی، اپنے ارادہ کا پکا خود اعتماد ہوتا ہے

مٹی۔۔سودا اور خشک۔۔سودا۔۔سودای مزاج۔۔مزاج میں وحشت، اکثر اداس ملول، دل گیر رہتا ہے

آگ۔۔گرم اور خشک۔۔صفرا۔۔صفراوی مزاج۔۔تیز اور پھرتیلا پن، تندمزاجی، چڑچڑاپن، غصہ

پانی۔۔سرد اور مرطوب ۔۔بلغم۔۔بلغمی مزاج۔۔ کاہل، کمزور جوش کی جگہ سکون، ہر دلعزیز ہوتا ہے

یہ چار بنیادی مزاجی کیفیات ایک طرف انسان کی جسمانی ساخت۔خدوخال چہرے کے تاثرات وغیرہ کے مطابق اپنی الگ الگ خصوصیات رکھتی ہیں۔چار عناصر مین چار ارواح کی قوت سے چوبیس گن پیدا ہوتے ہیں

خون کی صفائی چار باتوں سے حاصل ہوتی ہے:۔

1. ۔خون کو ہلکا کرنے اور اس کے ثقل کو زائل کرنے سے کیونکہ جس قدر خون بھاری ہوگا اس قدر اس میں خباثت ہوگی اور خباثت کے ہوتے ہوئے شہوات کی کثرت ہوگی۔

2۔ بُو کی صفائی۔اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کی بُو گندھے ہوئے آٹے کی سی ہو اور اگر خون خبیث ہوگا تو اس کی بُو سڑی ہوئی کیچڑ کی سی ہوگی۔

3۔ رنگ کے صفائی۔اس کی علامت یہ ہے کہ خون زردی مائل ہو کیونکہ خون فاسد کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے اور جتنا زیادہ سیاہی مائل ہوگا اس قدر فسادِ خون بھی زیادہ ہوگا۔

4۔ مزہ کی صفائی۔اس کی شناخت یہ ہے کہ خون میٹھا ہو۔کیونکہ خون فاسد کا مزہ جلی ہوئی چیز کا سا ہوتا ہے۔

لہذا جب جوہر خون صاف ہوگا تو اس سے تمام شیطانی حصے نکل جائیں گے اور شہوت اور معصیت کی تاریکیاں منقطع ہو جائیں گے۔اس کے بعد جسم کی رگیں اس صاف خون سے غذا حاصل کریں گی، اور وہ بھی خون کی صفائی کے باعث صاف ہو جائیں گی اور ان سے بھی شہوات اور شیطانی علائق منقطع ہو جائیں گئے۔جب جسم کے اندر یہ حسی صفائی حا صل ہوگئی تو پھر روح معنوی صفائی سے اس کی مدد کریگی۔

اور اسے تمام جواہرا کے ساتھ معرفت الٰہی حاصل ہو جائی گی اور چونکہ ذات محمدی ﷺ روح شریف پر محیط اور اس کے تمام اسرار کو حاصل کر چکی ہے اس لئے اسے حسی اور معنوی دونوں قسم کی صفائی حاصل ہوگی۔

اہل حق بیان فرماتے ہیں یہ جان جان ابتدا میں سبع صفات قدیم (حیات۔قدرت۔ارادہ۔پہچان۔بصارت۔سماعت۔کلام)کے ساتھ ظہور کیا پس یہ ساتوں صفت کے ساتھ حضرت انسان میں ظہور کیا باقی نباتات۔حیوانات۔جمادات۔وغیرہ وغیرہ کسی میں ایک کسی میں دو کسی میں تین کسی میں چار صفت مگر کل صفات انسان میں ہے، یہ سبھی صفات لے کر نزول فرمایا سو برزق کبریٰ میں پھر صغریٰ میں آیا۔کبریٰ نام ہے جسم نوری کا ۔صغریٰ نام ہے

جسم عنصری کا۔

پہلی صفت حیی حیات۔ لاحیی الا اللہ۔ زندہ پناہ۔ میرا نہیں اللہ کا ہے۔ دوسری صفت قادر یعنے قوت، سکت پہچانت پناہ۔ میرا نہیں مگر اللہ کا ہے۔ تیسری صفت مرید یعنے ارادہ کرنے والا۔ ارادہ میرا نہیں اللہ کا ہے۔ چوتھی صفت علیم یعنے پہچانت کرنے والا طاقت توانائی۔ میری نہیں اللہ کی ہے۔ پانچویں صفت بصیر دیکھنے والا دیکھتا پناہ میرا نہیں اللہ کا ہے۔ چھٹی صفت سمیع یعنے سننے والا سنُتا پناہ۔ میرا نہیں اللہ کا ہے۔ ساتویں صفت کلیم یعنے کلام کرنے والا بات کرتا پناہ۔ میرا نہیں اللہ کا ہے

اہل حق کے نزدیک ہمارے وجود میں تین مقام ہیں۔ اعلیٰ۔ اوسط۔ اسفل (اونچا' بیچ کا، نیچا) نچلے درجہ میں ہونے سے ناف کو نفس کہتے ہیں۔ اس کا تعلق دوزخ سے ہے۔ دیو۔ پری۔ سانپ۔ بچھو۔ گرمی۔ سردی۔ وہ ساری چیزیں جو دوزخ کے لوازمات ومتعلقات ہیں۔ وہ اسی میں ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ابلیس کا یعنی نفس کا ظہور ہے

مقام اوسط میں ہونے سے دل کو قلب کہتے ہیں۔ اس کا تعلق جنت سے ہے۔ یعنی جنت کے میدان۔ حلات۔ حقر۔ صور۔ پھل۔ پھول۔ باغ۔ کیاریاں۔ ناز ونعمت کے وہ سارے ساز وسامان جو اس کے لوازمات ہیں وہ اسی مقام میں ہیں۔ شاہ عشق کا اس مرتبہ ومقام میں احمد ومحمد کے نام سے ظہور ہے

مقام اعلی میں ہونے سے جان کو روح کہتے ہیں۔ اس کا تعلق حق سے ہے۔ یہی احد ہے۔ یعنی اس مقام میں فرشتے۔ عرش۔ کرسی۔ لوح وقلم۔ آسمان۔ آفتاب۔ چاند۔ ستارے اور جو کچھ کہ لوازمہ نور حق ہیں وہ سب اس مقام میں ہیں۔

یہاں شاہ عشق کا اللہ کے وصف سے یعنی روح الروح سے ظہور ہے۔ یہ عشق کے میوے اس درخت کا کمال بلکہ عشق کا وصف ہے بلکہ وہ ہی ہے جو اس طرح سے ظہور کیا ظاہر ہوا ہے۔ ہر مقام میں اس کا نام کچھ اور ہی ہے

جسمانی انسان عام ہے اور روحانی خاص۔ روحانی انسان تو احرام باندھے اپنے اصلی وطن کی طرف یعنی قربت خداوندی کے حصول کی راہ پر گامزن ہے

جسمانی انسان کی واپسی کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ درجات کی طرف رجوع کرے۔ شریعت وطریقت اور معرفت پر بلا نمود عمل پیرا ہو۔

حضور اکرام ﷺ کا ارشاد ہے

اَلْحِکْمَۃُ الْجَامِعَۃُ مَعْرِفَۃُ الْحَقِّ وَالْعَمَل بِھَا مَعْرِفَۃُ الْبَاطِنِ .

(کامل دانائی حق تعالیٰ کی معرفت ہے اور اس کے مطابق عمل پیرا ہونا باطن کی معرفت ہے)

عالم جسمانیت سے نکل کر عالم روحانیت میں آنا چاہئے۔ عالم روحانیت باطن کی دنیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں بستا۔ یہ دنیا نور کا گویا ایک صحراء ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں۔ موحدین کے باطن میں جمال خداوندی کا نور ہوتا ہے جسے وہ دیکھتے رہتے ہیں۔ گویا وہ صرف اللہ ہی کو دیکھتے ہیں۔

جسمانیت جب ظاہری علوم پر عمل پیرا ہوتی ہے تو جزاء میں اسے صرف جنت ملتی ہے جہاں وہ تجلی صفات کا عکس پاتا ہے مگر وہ حریم قدس اور قربت میں داخل نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ظاہری علم کا کام نہیں ہے۔ حریم قدس اور قربت پرواز کا عالم ہے۔...... پرندہ بغیر پروں کے اُڑ نہیں سکتا۔ صرف وہی بندہ ان علوم تک پہنچ سکتا ہے جو علم ظاہری اور علم باطنی کے دونوں پر رکھتا ہو۔

بندہ حقیقت کے دائرے میں پہنچ جاتا ہے تو جہولیت مکمل ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہاں تو اللہ تعالیٰ بندے کو علم لدنی سے نوازتا ہے۔ بغیر کسی واسطہ کے اپنی معرفت عطا کرتا ہے۔

اس طرح رسول کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہ، وَ خَالَفَھَا فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہ، وَ تَا بَعَہ، (یہ حکایت یحیٰ بن معاذ رازی سے روایت کی گی ہے) جس نے اپنے نفس کو پہچانا اور اس کی مخالفت کی تو اس نے یقیناً اپنے رب کو پہچان لیا اور اس کی فرمانبرداری کی۔ حق کو پہچاننے کا طریقہ نفس کو پہچاننا ہے، جس نے نفس کی معرفت حاصل کرلی اسنے اپنے رب کو پہچان لیا لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی کامل کا ہاتھ تھامے جو اسے عرفان کی راہ سجائے۔ وہ ایسا مرشد کامل ہو کہ احکام ظاہری کا علم رکھتا ہو اور مراتب غیوب کو بھی جانتا ہو طالبین کو مطلوب تک پہچا سکتا ہو، مسند ارشاد پر بیٹھ کر لوگوں کی رہنمائی کرے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے

من عرف نفسه فقد عرف ربّ ھو (جس نے پہچانا اپنے نفس کو تحقیق اس نے پہچانا اپنے رب کو) یعنی جو شخص کہ اپنے آپ کو یہ جان لے کہ میں نہیں ہوں حق ہوں جو اس صورت میں ظاہر ہوا ہوں اس نے حقیقت میں پہچان لیا

اپنے رب کو اور یہ بھی فرمایا کہ۔

عَرفتَ ربی بربی

(پہچانا میں نے اپنے رب کو اپنے رب سے)یعنی جب تک کہ میں تھا حق کو نہ پہچانتا تھا جبکہ اپنے آپ کو حق جان لیا اور اپنے آپ سے جان چکا حق نے حق کو پہچان لیا

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے

میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

صوفیا اکرام کہتے ہیں کہ من عرف جو ہے وہ۔ دم کا گھوڑا روح کی زین عقل کا رکاب فہم کا سوار (فہم۔رب کو کہتے ہیں) اور ایسا بھی فرماتے ہیں کہ من عرف نفسہ عقل کو کہتے ہیں فقد عرف ربہ روح کو کہتے ہیں چند اہل طریق من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کو وجود کے اندر کے مقام کو کہتے ہیں۔

تن میں من عرف کا مقام۔اول مغز۔سینہ۔ناف۔کمر۔کمر میں جا کر من عرف ہوتا ہے ناف میں جا کر فقد عرف ہو تا ہے سینہ میں جا کر نفس ہوتا ہے مغز میں جا کر رب ہوتا ہے۔

من عرف کی پہچان۔تصوف کے دائرے سے اب خود کو دیکھنا اس کو دیکھنے کے برابر ہوا کرتا ہے۔اب ہر بات کی نفی ہے کوئی غیر نہیں ہے۔من عرف نفسہ سے اپنے آپ کو پہچان کہ وہیں فقد عرف ربہ۔اور ھو ہی ھو ہے ھو ہی ھو کو جانتا پہچنتا ہے

جس کسی نے ہر شیے کی اور اپنے ظاہری وجود کی نفی کی تو وہ ایک خلا کے عالم میں ڈوب جاتا ہے اور تفکر کے عالم میں نفی کر کے اور اپنے باطنی وجود کو پہچاننے لگتا ہے اور اس مقام میں کچھ نظر آ رہا ہے یا خود کو دیکھ رہا ہے تو وہ خود کو نہیں دیکھ رہا ہے بلکہ اپنے رب کو دیکھ رہا ہے اور اپنے رب کی پہچان کرر ہا ہے......حق اور رب دونوں ایک ہی ہیں اب دیکھنے والے حق کو دیکھیں یا رب کو دیکھیں دونوں ایک ہی بات ہے۔

رایت ربی بربی۔۔کا راز بھی پوشیدہ ہے صوفیاے اکرام رب سے رب کو دیکھنا کا معہ بھی اچھی طرح معلوم رہتا ہے یہی راز رب الفلق۔صبح کے رب اور رب الناس۔لوگوں کے رب میں بھی بھید بنا ہے اور یہی راز من عرف نفسہ کا بھی ہے۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔جس نے پہچانا اپنے نفس کو تحقیق اس نے پہچانا اپنے رب کو ا۔من عرف مین جو

۔من۔ ہے حقیقت مین یہ وہی 'منً ہے وہ 'توٗ ہے (۔من۔ سے مراد ہے۔ذات واحد) اور تیرے وجود کے اندر ہی نفسہ اور ربہ کا مقام بنائے ہوے ہیں۔ایک نے الست بربکم کہا اور۔ایک نے جواب میں قالو بلی کہا۔اقرار لینے والا اور گواہی دینے والا کوئی اور نہیں خود ایک ہی ذات ہے۔

عرف کا معنی پہچان ہے تیری ذات اسم۔ھو کا مظہر ہے۔فقد عرف ربہ۔صفت رب کی ربوبیت کے ساتھ مسمیٰ۔ھو ہی ہے۔

ذات انسانی من عرف نفسہ سے مظہر اسم ھو ہے اور فقد عرف ربہ سے ذات حق صفت رب کی ربوبیت کے ساتھ ھو ہی مسمیٰ ہے۔

من عرف نفسہ میں 'ھوً کا راز ہے اور قد عرف ربہ کےً ھوٗ کا راز ہے الانسان سری وانا سرہ۔انسان میرا بھید ہے اور میں انسان کا بھید ہوں

اللہ کا وجود ذاتی ہے اور ہم کو جو وجود ملا ہے وہ عطائی ہے، پھر ثابت ہو گیا کہ جس کی طرف سے وجود ملا ہے وہی رب ہے

جو شخص اپنی حقیقت کو اِس طرح پہچانے کہ میں ً میں نہیں ہوں بلکہ حق ہے جو اِس صورت پر ظاہر ہوا ہےً پس ایسا شخص اپنے پروردگار کو پہچان لیتا ہے۔ عَرفتُ رَبِی بِربِی۔ اِس سے غرض یہ ہے کہ جب تک میں اپنے آپ کو نہیں جا نتا تھا میں نے حق کو نہیں پہچانا تھا اور جب میں نے اپنے آپ کو بعد فنا حق جانا میں اپنی ہستی سے الگ ہو گیا اِس وقت سے مین نے حق کو حق جانا.اور جب تو خود فانی ہو جاے گا اس وقت خدا کا جلوہ تجھے نظر آیگا جس سے خود کو میں جانتا تھا-وہ میں۔میں نہیں ہوں وہ حق ہے۔جو اس صورت مین ظاہر ہوا ہے.

امام سیوطی 'الحادی' جلد دوم-ص-238-پر فرماتے ہیں۔جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس بات پر دال ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی ہے.معرفت خداوندی معرفت نفس سے پہلے حاصل ہوتیں ہے.جب تو اپنے نفس کو حق کے معاملہ میں پہچان لے گا تو اس بات کو ناپسند کرئے گا کہ تو اپنے افعال میں اپنے آپ پر اعتراض کرئے اور جو تو کرتا ہے اس پر عیب لگانے کو۔کیونکہ تو اس میں اپنے خالق کی صفات کو پہچان لئے گا اور تو اس کو ناپسند کرنا شروع کر دے گا۔اور جو شخص اس حقیقت کو سمجھ گیا کہ میرا نفس اللہ کا محتاج ہے اور اسے عبودیت خداوندی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

جس نے حق کو پہچانا اور اپنے اور وجود کو باقی رکھا تو اس نے بے ادبی کی اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

انسان کے وجود کا اصل مقصد اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے اور اس مقام پر پہنچ کر بندے کو اپنی ذات بھلا دینی چاہیے، اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں ہے کہ بندہ قربت کی طرف سفر کرے جو باطن میں میرے طرف سفر سے محروم رہا میں اس کو ظاہری سفر میں مبتلا کرتا ہوں جو اپنے آپ میں ذکر وفکر کے مراقبہ سے اور مجاہدہ وتوجہ سے باطن کے اندر نہیں جاتا اور اس آیت کو نہیں سمجھتا کہ و فی انفسکم افلا تبصرون میں تمہارے نفسوں میں ہوں کیا تم نہیں دیکھتے اور وہ تمہارے ساتھ ہے و هو معکم ۔اپنی روح میں رب العالمین کی تجلی نہیں دیکھتا اور اپنے دل میں نہیں جانتا اس کو ظاہری سفر مبتلا کرتا ہوں۔

انسان خاص کا اپنے وطن یعنی قربت کی طرف رجوع اور رسائی علم حقیقت کے ذریعے ہی ممکن ہے علم حقیقت عالم لاہوت میں توحید ہے دنیا میں اللہ کی یکتائی کا عقیدہ ہے یہ مقام سوتے جاگتے عبادت سے حاصل ہوتا ہے

جسم پر جب نیند طاری ہو جاتی ہے تو دل کو زیادہ فرصت ملتی ہے اور وہ اپنے وطن اصلی کی طرف رجوع کرتا ہے یہ رجوع یا تو کلی طور پر ہوتا ہے یا جزوی طور پر۔توحید کا نور جب دل میں زندہ ہوتا ہے تو اسمائے توحید باطن کی زبان پر بغیر حرف وصورت جاری ہو چکے ہوں جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے۔

الانسان سری و صفتی و انا سره (انسان میرا راز اور میری صفت ہے اور میں اس کا راز ہوں)

دوسری حدیث کے الفاظ یوں ہیں۔

اِنَّ عَلَمَ الْبَاطِنِ هُوَ سِرٌّ مِنْ سِرِّی اَجْعَلَه، فِیْ قَکْبِ عَبْدِی وَ لَا یقِفُ عَلَیْهِ غَیْرِی

بیشک علم باطنی میرے رازوں میں سے ایک راز ہے میں نے اسرار کو اپنے بندے کے دل میں رکھ چھوڑا ہے اس پر میرے سوا کوئی واقف نہیں ہوسکتا

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

تَـفَکُّرُ سَاعَةِ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَبْعِیْنَ سَنَةُ ۔ایک پل کا فکر ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے تفکر علم الفرقان ہے جسے توحید کہتے ہیں اس کی بدولت عارف اپنے مقصود ومحبوب تک رسائی حاصل کرتا ہے اور عارف اس علم کے بدولت روحانیت کی پرواز کر کے عالم قربت تک پہنچتا ہے۔جبکہ عابد جنت کی طرف پا یادہ گامزن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو حکم دیا کہ ان اجساد میں داخل ہو جاو اور ہر ایک روح کے لئے جسم میں ایک خاص جگہ

متعین فرمادی. روح جسمانی کا مقام خون اور گوشت کی درمیانی جگہ قرار پائی، روح روانی کو قلب میں رکھا گیا۔روح سلطانی کو جان میں جبکہ روح قدسی کا مقام باطن ٹھہرایا گیا. ہر ایک روح کی مملکت جسم کے اندر ہے۔ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے وجود کے اندر جاری معاملات کو سمجھے کیونکہ جو کچھ وہ حاصل کرے گا اس کی گردن کا نوشتہ ہوگا۔

حضرت شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کے دل میں دنیا اور اللہ دونوں کی محبت جمع ہے تو وہ چھوٹا ہے دنیا اور آخرت اہل اللہ پر ممنوع ہیں۔ کیونکہ مومین کی جنت وہ جنت ہے جو نیک اعمال کرنے والوں کو دی جائے گی مگر عارفین کے لئے ایک اور جنت ہے جو وھی جنت ہے۔ اہل موحد اللہ سے اس طرح ڈرتے ہیں جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے نہ انہیں جنہم کی آگ کا خوف دامن گیر ہوتا ہے اور نہ جنت کی لالچ۔ ان کی جنت اللہ کریم کے جمال کا دیدار ہے اور جہنم اللہ کے دیدار سے محرومی ہے یہی عذاب ہے ان کے لئے اور حجابات کا اُٹھ جانا سب سے بڑی جنت ہے۔

بایزید بسطامی فرماتے ہیں جنت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں اگر ان کی آنکھ سے ایک پل بھی دیدار کی نعمت چھن جائے تو وہ جنت سے پناہ مانگ نے لگیں جس طرح اہل جہنم آگ سے پناہ مانگتے ہیں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل اللہ پر دنیا اور آخرت دونوں کو حرام کر دیا ہے۔

الا نبیاء والا ولیاء یصلون فی قبورھم کما یصلون فی بیوتھم:۔ انبیاء واولیاء اپنی قبروں میں اس طرح نماز ادا کرتے ہیں جسطرح اپنے گھروں میں نماز ادا کرتے تھے

یعنی وہ ہمیشہ اپنے رب سے مناجات کرتے رہتے ہیں۔ یہاں ظاہری نماز مراد نہیں ہے۔ جس میں قیام۔ رکوع، سجود اور قعدہ ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد بندہ کا اپنے رب سے مناجات کرنا اور رب کی طرف سے مناجات کے صلہ میں اپنی معرفت عطا کرنا ہے پس عارف اپنی قبر میں احرام باندھے اپنے رب کی طرف محو سفر رہتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:۔المصلی یناجی ربه

پس جس طرح زندہ دل نہیں سوتا اس طرح وہ مرتا بھی نہیں ہے

تنام عینی و انا ینام قلبی :۔ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا

من مات فی طلب العم بعث فی قبره ملکین یعلمانه علم المعرفة و قام من قبره عالما و عارفا ...... جو علم حاصل کرتے ہوئے فوت ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کی قبر میں دو فرشتے بھیجتا ہے جو اسے علم معرفت کی تعلیم

دیتے اور ایسا شخص اپنی قبر سے عالم اور عارف بن کر اُٹھے گا دو فرشتوں سے مراد نبی کریم ﷺ اور ولی اللہ کی روحانیت کیونکہ فرشتے عالم معرفت میں داخل نہیں ہو سکتے اور نہ وہ تعلیم دے سکتے ہیں

دیدار الٰہی کی دو صورتیں ہیں ایک آخرت میں آئینہ دل کی وساطت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے جمال کا دیدار کرنا دوسرا دنیا میں آہینہ دل پر صفات خداوندی کا عکس ملاحظہ کرنا۔ دنیا میں دیدار دل کی آنکھ سے ہے اور اس میں صفات خداندوی کا عکس آہینہ دل پر پڑتا ہے تو انسان دل کی آنکھ سے اس عکس کا مشاہدہ کرتا ہے

جس نے دنیا میں صفات خداوندی کا دیدار کرلیا بلا کیف آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے دیدار کا شرف حاصل کرے گا حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے دل نے میرے رب کا دیدار کیا۔ یعنی میرے رب کے نور کے ذریعہ ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں ایسے خدا کی عبادت نہیں کروں گا جسے میں نے دیکھا نہ ہو

نفس کا حجاب جب دل کے چہرے سے ہٹ جائے تو دل ان انوار کے عکس سے زندہ ہو جائے اور روح اس طاق سے صفات حق کا مشاہدہ کرے تخلیق کائنات کا اصل مقصد بھی اس مخفی خزانہ کو عیاں کرنا ہے

حضور علیہ ﷺ ارشاد ہے

رایت ربی علی صورۃ شاب امرد :۔ یعنی میں نے اپنے رب کا ایک بے ریش نوجوان کی صورت میں دیدار کیا (اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی کئی صورتیں ہیں کچھ تجلیات ذاتی ہوتی ہیں اور کچھ صفاتی وہ مختلف صورتیں اور ھیات میں جلوہ گر ہوسکتا ہے لیکن وہ جسم صورت اور جہات سے پاک ہے اپنے ذات کے اعتبار)

آپ نے فرمایا ہے کہ رائت ربی لیلۃ المعراج فی احسن صورۃ (دیکھا میں نے رب کو معراج کی رات میں اچھی صورت میں) فی صورۃ امرد شاب قططه (نوجوان سبزہ آغاز گھنگھر و والے بال کی صورت میں)

ایک صحابی ؓ فرماتے ہیں کہ رائت ربی فی صورۃ امی (دیکھا میں نے اپنے پروردگا کو اپنی ماں کی صورت میں)

انسان اللہ کے جمال وجلال کا آئینہ اور پوری کائنات کا مجموعہ ہے انسان پوری کائنات اور عالم کبریٰ کہلاتا ہے کیونکہ اللہ نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں یعنی صفت قہر ولطف سے پیدا فرمایا ہے یعنی کثیف اور لطیف۔ پس انسان دوسرے تمام اشیاء کے برعکس اسم جامع کا مظہر ہے کیونکہ باقی تمام اشیاء کی تخلیق ایک ہاتھ یعنی ایک صفت سے ہوئی۔

صفت لطف سے ملائکہ کی پیدائش ہوئی اور صفت قہر سے ابلیس اور اس کی ذریت کی پیدائش ہوئی

حذیفہ بن اسید نامی صحابی نے ان سے کہا کیا تمہیں تعجب ہو رہا ہے میں نے حضور ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے جب نطفہ (کو ماں کے پیٹ میں قرار پکڑنے) پر بیالیس راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے یہ فرشتہ اس نطفے کو ایک صورت دیتا ہے اور اس کے کان آنکھ جلد گوشت اور ہڈیاں پیدا کرتا ہے پھر فرشتہ عرض کرتا ہے۔ اے میرے رب مذکر یا مونث؟ پس آپ کا رب فیصلہ فرماتا ہے جو چاہتا ہے فرشتہ لکھ لیتا ہے

حدیث قدسی میں ہے

لا یسعنی ارضی ولا سمائی و لکن یسعنی قلب عبدی المومن۔ میں اپنی زمین اور اپنے آسمان میں نہیں سما سکتا مگر اپنے بندے مومن کے دل میں سما جاتا ہے۔

عالم محسوس جس میں آسمان، زمین، سورج چاند ستارے معدنیات نباتات، حیوانات ہیں اس کے بعد عالم انسان ہے اگر چہ یہ صورت میں تو چھوٹا ہے لیکن معنی میں تمام جہانون سے بڑا ہے اس لئے خلافت کبریٰ کا مستحق گردانا گیا ہے امانت عظمیٰ اس کے سپرد کی گئی

ازل ہی سے شہود وغیب کی ایک داستاں ہیں ہم
مقیم لا مکاں ہو کر مکین ہر مکاں ہیں ہم

☆☆☆☆☆

سالنامہ

اللطیف

ویلور



دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور